اعتذار

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اب سے کافی عرصہ قبل سخت محنت اور جانکاہی کے بعد اس کتاب کا مسودہ تیار کر لیا تھا۔ اور جلد از جلد اس کے شائع کرانے کے متمنی تھے۔ لیکن مشیت ایزدی نے انہیں اپنی آرزو پوری کرنے کی مہلت نہ دی اور ۳۰ر دسمبر ۱۹۵۶ء کی خونین شب کو بعارضہ قلب وہ اللہ کو پیارے ہوئے اب میں اپنے کمزور ہاتھوں سے ان کی خواہش کی تکمیل کی سعادت حاصل کر رہی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی پاکیزہ روح کو میری اس کوشش سے تسکین و سرور حاصل ہوگا

خاکسار۔ ڈاکٹر امّ کلثوم بیوہ

ڈاکٹر محمد عبدالغفور مرحوم

۷۸۶

اشاعت اوّل ۵۰۰

تاریخ اشاعت . یکم مارچ سنہ ۵۸ء

پرنٹر پبلشر . ڈاکٹر محمد ایوب

انتظام نگرانی . عبدالسلام خان

طباعت .. بولان مسلم پریس کوئٹہ

عبدالعزیز کاتب بولان مسلم پریس کوئٹہ

فہرست مضامین

پاکستان میں ہجرت کے آٹھ سال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ڈاکٹر عبد الغفور ساخت در جنت مکان

۱۳۹۳ ـــــــــــــــ ۳۵۴ + ۱۱۱

سال یا یک روز پیش از داخلہ آنجہان

(۱۹۵۷ - ۱ = ۱۹۵۶)

پیدائش ۱۸۹۵ء ٭ رحلت ۳۰ دسمبر ۱۹۵۶ء

مدت قید در زندان بریلی بہ پاداش جرم شرکت تعمیر پاکستان از ۱۸ اگست ۱۹۴۸ء تا ۱۵ جنوری ۱۹۴۹ء

آج محفل سے اٹھ گیا بسمل ۔۔۔ اٹھ گیا حیف ایک صاحب دل

مرد آزاد مخزن آداب ۔۔۔ جانِ اخلاق رونق محفل

شاہ اقلیم فن شعر و ادب ۔۔۔ محسن فن سخنورِ کامل

نازشِ ملک محسنِ ملت ۔۔۔ مخلص قوم رہبر کامل

رہبر کاروان عشق گیا

اب نہ ہے قیس اور نہ ہے محمل

۷۸۶

انتساب

رفیقۂ حیات ڈاکٹر اِم کلثوم عبدالغفور کے نام

جس نے ۱۹۴۸-۴۹ء میں بہ جرم پاکستان، بنارس سنٹرل جیل میں نہایت ہی خود داری کے ساتھ قید و بند کے مصائب برداشت کئے اور ہمیشہ کے لئے اپنی صحت سے ہاتھ دھو بیٹھی

(۲) اور جسے پاکستان میں آکر بھی ناقابل بیان پریشانیوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اور زمانہ کی تمام سختیاں اس پر ختم ہو گئیں۔

ڈاکٹر محمد عبدالغفور۔ بسمل

لاڑکانہ

۴ ستمبر ۱۹۵۵ء

پیش لفظ

ہندوستان کے مسلمانوں کی پاکستان میں ہجرت. دنیا کی سب سے بڑی ہجرت ہے. اور ان کے مصائب کا افسانہ واقعات کربلا سے کم دردناک نہیں ہے. اس ماجرائے درد کو بیان کرنے کے لئے الف لیلہ کے افسانوں کی طرح ہزاروں راتیں بھی ناکافی ہیں.

ایک خستہ حال شخص. مرجھایا ہوا چہرہ. زندگی سے بیزار. ہزاروں فکروں میں مبتلا۔ بس اس کے سامنے پاکستان کا ذکر چھیڑ کر دیکھیئے. فوراً آنکھوں میں چمک پیدا ہو جائے گی۔ تمام جسم میں خون تیزی سے دوڑنے لگے گا۔ مال کا تو نام نہیں لیکن پاکستان کے نام پر اپنی جان ناتواں بڑی خوشی سے نثار کرنے کو تیار ہیں۔ یہ ہی مہاجر کی پہچان ہے.

میرے سو زخموں کا مرہم ہے. وطن کی چاندنی
میرے سو دردوں کا اک درماں ہے. آزاد وطن (سرور جہاں آبادی)

پاکستان کے مہاجرین ـ پاکستان کے بانی ہیں. پاکستان کے فدائی ہیں. پاکستان ان کا ہے. اور یہ پاکستان کے ہیں.

ہم ان کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا.

جنہیں لوگ مہاجر کہتے ہیں. یہ وہی سودائی ہیں. جو کہ پاکستان بننے سے پہلے اور پاکستان بننے کے بعد پاکستان کے جان نثار اور قائد اعظم کے شیدائی تھے۔

"مسلم اکثریت کے صوبے اپنی اکثریت پہ نازاں ہیں. انہوں نے قائد اعظم کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا. تقسیم سے قبل جب قائد اعظم پنجاب اور سرحد آئے. تو اکثریت والے صوبوں کے لوگوں نے ان کے خلاف سازشیں کیں لیکن اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے ہمیشہ قائد اعظم کی حوصلہ افزائی کی"[۱]

۱۔ قائد اعظم کے یوم ولادت پر سردار عبدالرب نشتر کی تقریر۔ کراچی ۲۵ دسمبر ۱۹۵۵ء

پاکستان کو بنے ہوئے آٹھ سال ہو گئے۔ اس وقت پاکستان میں مہاجرین کی کیا حالت ہے۔ اس کے متعلق ذمہ دار حضرات کے بیانات بھی پڑھ لیجئے:-

(۱) سندھ کے گورنر جناب خان افتخار حسین خان :-

مہاجرین کے معاملہ میں غفلت برتی جا رہی ہے۔ اگر ان کے ساتھ یہاں اچھا سلوک نہیں ہوا تو ان پر سراسر ظلم ہوگا۔ ایڈریسوں کے سلسلہ میں مجھے حکومت کے مختلف محکموں کی جانب سے جو یادداشتیں مہیا کی گئی ہیں۔ ان میں بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ فلاں اسکیم حکومت کے زیر غور ہے۔ اور فلاں اسکیم پر غور ہو رہا ہے۔ اور غور و خوض کی منزل سے آگے نہیں بڑھ سکی ہے۔

(۲) مسٹر حسین شہید سہروردی۔ (وزیر قانون پاکستان)

مہاجرین کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے، آپ نے فرمایا "کہ یہ غریب پاکستان میں پھل پھول نہیں سکے۔ ان میں جو چند خوش حال نظر آتے ہیں۔ وہ مصیبت زدہ مہاجرین کی اکثریت کے مقابلہ میں اس قدر کم ہیں۔ کہ انہیں شمار میں نہیں لانا چاہئے"

(۳) ڈاکٹر خان صاحب وزیر مواصلات (پاکستان)

گزشتہ سات سال کے واقعات سے ثابت ہو گیا ہے۔ کہ پاکستان کی کسی سیاسی جماعت نے عوام کی صحیح اور کامیاب رہنمائی نہیں کی ہے ــــ مہاجرین کو ناقابل بیان مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس لئے وہ ہمدردی کے مستحق ہیں"

(۴) مسٹر محمد علی وزیر اعظم پاکستان کے اعلانات :-

وزیر اعظم نے ملکۂ الیزبیتھ ثانی کے جشن تاجپوشی سے واپسی کے بعد اہل کراچی کے ایک سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا۔

(۱) گزشتہ چھ سال میں مہاجروں کے ساتھ انصاف نہیں ہوا ہے"

(۲) وزیر اعظم نے قائد اعظم کی چھٹی برسی پر پھر یہ اعلان کیا...... یہ بات بہت شرمناک

ہے۔ کہ مہاجرین کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکا۔"

(۳) قائد اعظم کی برسی کے دن ستمبر ۱۹۵۴ء میں وزیر اعظم نے یہ بات دھرادی......

" یہ شرم کی بات ہے۔ اور شرم و ندامت سے ہمیں اپنا سر جھکا لینا چاہیئے۔ کہ اپنی متحدہ اور بہترین کوششوں کے باوجود ہم اپنے مہاجر بھائیوں کو ان کے جائز حقوق دلوانے میں ابھی تک انصاف نہیں کر سکے ہیں۔ جنھوں نے پاکستان کی تعمیر میں بہت بڑا حصہ لیا ہے"

وزیر اعظم کی اس تقریر پر محترم مدیر ڈان نے اس طرح اظہار خیال کیا ہے ؛-

وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں دو وعدے کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مہاجرین کے ساتھ فوراً انصاف کیا جائے گا۔ اس بات کا سمجھنا مشکل ہے۔ کہ ان لاکھوں مہاجروں کے ساتھ کس طرح فوراً انصاف کیا جائے گا۔ جو کہ سات سال سے انصاف سے محروم ہیں۔ ۔ دوسرا وعدہ یہ ہے۔ کہ مہاجر کونسل فوراً اپنا کام شروع کر دے گی۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے۔ کہ یہ کونسل کوئی مفید کام انجام دے سکے گی۔ جب کہ گورنمنٹ کی اب تک کی تمام اسکیموں سے کوئی مفید نتائج نہیں نکل سکے ہیں۔

مہاجر فنڈ کا تین کروڑ یا اس سے زائد روپیہ مرکزی حکومت کے خزانہ میں اب تک جمع ہے"

قائد اعظم سے زیادہ مہاجروں کا عملی ہمدرد اور خیر خواہ کوئی نہیں ہوا۔ شہید ملت لیاقت علی خان صاحب کا دم غنیمت تھا۔ وہ خود بھی مہاجر تھے۔ اور مہاجروں کے شیدائی ـ عام خیال یہ ہے۔ کہ ان کا سب سے بڑا جرم یہ تھا۔ کہ وہ مہاجر تھے۔ اور یہی اُن کی شہادت کا باعث بنا۔

"جو چپ رہے گی زبان خنجر۔ لہو پکارے گا آستین کا"

قائد ملت کی شہادت کے بعد کچھ عرصہ تک مہاجروں سے ہمدردی کی فضا ساکت و جامد رہی پھر اس جمود میں حرکت پیدا ہوئی۔ اور ایک آواز بلند ہوئی۔ اور وہ آواز مسٹر محمد علی بوگرہ کی تھی۔ کچھ نکتہ چین حضرات یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ انہی کے دور حکومت میں مشرقی پاکستان میں مہاجر و انصار کا سوال پیدا

ڈان ۱۵ ستمبر ۱۹۵۴ء

ہُوا۔ اور مہاجرین کے قتل و غارت گری کا بازار گرم ہُوا۔ میری رائے اس سے مختلف ہے۔

مسٹر محمد علیؒ وزیر اعظم پاکستان نے اپنی تقریروں میں جب کبھی مہاجرین کی آبادکاری کا ذکر کیا ہے تو ان میں دو باتیں خاص طور پر جاذب توجہ ہیں:۔

(۱) وزیر اعظم سچائی اور ایمانداری کے ساتھ صاف الفاظ میں ہمیشہ اس ناکامی کا اعتراف کرتے ہیں۔ کہ میں بحالی کے کام سے پورے طور پر مطمئن نہیں ہوں۔

(۲) وزیر اعظم ہمیشہ اپنی تقریروں میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جن سے مہاجرین کے حوصلے بلند ہوتے ہیں۔ آپ نے اکثر یہ کہا ہے کہ جب تک ایک مہاجر بھی بے گھر ہے اس وقت تک پاکستان مکمل نہیں ہو سکتا پاکستان کے ارباب اقتدار کی تقریروں سے کچھ ڈھارس سی بندھ جاتی ہے۔ اور یہ یقین ہونے لگتا ہے۔ کہ مہاجرین کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور ہو کر رہے گا۔ اس وقت مہاجرین پاکستان میں انہی تسلی بخش الفاظ کے سہارے پر جی رہے ہیں۔

تیری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا۔ نہ شکایتِ زمانہ (علامہ اقبالؒ)

کم ازکم ان تقریروں سے یہ تو ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ مہاجرین حکومت کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ؎ ہم نشاں ہیں۔ کہ ہیں۔ تو کسی کی نگاہ میں

ہندوستان میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہے۔ آئے دن فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ ہر فرقہ پرست ہندو مسلمانوں سے وفاداری کا مطالبہ کرتا ہے۔ ہر فرقہ پرست ہندو یہ کہتا ہے۔ کہ اگر مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنا ہے تو وہ ہندو بن کر رہیں۔ ورنہ پاکستان چلے جائیں۔ بھارت میں مرنے کے بعد بھی مسلمانوں کو چین ملنا دشوار ہے۔ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے۔ "کہ مہاجرین کا مسئلہ ہمارے شعور حب الوطنی اور اخوت اسلامی کے لئے ایک چیلنج ہے"

ؒ مسٹر محمد علی اب امریکہ میں پاکستان کے سفیر ہیں۔ جناب اسکندر مرزا اب پاکستان کے گورنر جنرل ہیں۔ اور فیروز خان نون وزیر اعظم

آج تک کسی اسلامی ملک کو یہ توفیق نہیں ہوئی۔ کہ اخوت اسلامی کی بنا پر بھارت کی مسلم کشی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر سکے۔ افغانستان کو دیکھ لیجئے۔ حکومت اور رعایا دونوں مسلمان ہیں۔ بھارت میں مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے گئے۔ اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے لیکن ان مظالم کے کے خلاف کبھی کوئی آواز سننے میں نہیں آئی۔ مصر میں عوام اور حکومت دونوں اسلام کے ماننے والے ہیں۔ لیکن بھارت کی چیرہ دستیوں کے خلاف ہمیشہ سکوت مطلق سے کام لیا گیا۔ ٹرکی سے پاکستان کا معاہدہ دوستی ہے۔ ترکی کے ارباب اقتدار اور عوام دونوں مسلمان ہیں۔ لیکن ترکوں کو ان کے لادینی اصولوں نے سنگ مرمر کا مجسمہ بنا دیا ہے۔ انڈونیشیا میں ۹۰ فیصدی مسلمان ہیں۔ عنان حکومت بھی مسلمانوں ہی کے ہاتھوں میں ہے۔ لیکن مسلمانوں کے خون سے رنگین ہاتھوں کو بوسے دے رہے ہیں۔ یہ ہی حالت دنیا کے دوسرے مسلم ممالک کی ہے پاکستان خود اس لعنت میں مبتلا ہے۔

ہمارے رہنما اپنی تقریروں میں ـــ اسلامی فکریہ ـ اسلامی اشتراکیت۔ اسلامی روایات اور اسلامی شان وشوکت کے شاندار الفاظ تو استعمال کرتے ہیں۔ لیکن عملی دنیا میں عضو معطل بنے ہوئے ہیں۔ بے عملی اور نمائش زندگی کی بیماری ہمارے بوڑھوں، نوجوانوں اور عورتوں میں پھیل رہی ہے۔ اور ان کے زہریلے اثرات دنیا کے تمام مسلمانوں کو مفلوج بنا رہے ہیں اور یہ ہی وجہ ہے کہ پاکستان کا وقار دنیا میں گرتا جا رہا ہے۔

(۱) پاکستان کے دارالسلطنت کراچی میں چند سال ہوئے کہ موتمر عالم اسلامی ـــ (بین الاقوامی اسلامی اقتصادی کانفرنس) ـــ کا ایک جلسہ نہایت ہی شان وشوکت کے ساتھ منعقد کیا گیا تھا۔ اور ہنگامہ خیز تقریریں بھی کی گئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ بانیان جلسہ تمام مسلمانوں کی گری ہوئی اقتصادی حالت کو سنبھال کر دم لیں گے لیکن بہت جلد اس کانفرنس نے موت کی چادر اوڑھ لی اور دائمی نیند سو گئی۔

(۲) کراچی میں پاکستان کے چند کہن سال لیڈروں نے ـــ شعوب المسلمین ـــ قائم کی تھی جس کا

نعرہ تھا۔ اسلامستان ۔ جس کا منشا یہ تھا۔ کہ روسی اور امریکی بلاک کی طرح ایک تیسرا بلاک دنیا میں بنایا جائے۔ جس سے تمام مسلمان حکومتیں وابستہ ہوں۔ افسوس ہے کہ اسلامستان کا نعرہ لگانے والوں کی سرگرمیاں بغیر کسی ہنگامہ یا لوحہ کے ختم ہو گئیں۔

(۳) جنوری ۱۹۵۹ء کے پہلے ہفتہ میں کراچی میں موتمر شباب العالم الاسلامی یعنی مسلم نوجوانوں کی بین الاقوامی موتمر International Assembly of Muslim Youth کے کئی اجلاس منعقد ہوئے اس موتمر نے ایک کمیٹی مقرر کی ہے جو ان مسلمانوں کے حالات معلوم کرے گی۔ جو غیر مسلموں کے مظالم کے شکار ہیں۔ اس سلسلہ میں بطور خاص شمالی لینڈ چین۔ روسی ترکستان۔ عرب انتدابی ریاستیں افریقہ میں فرانس کی نوآبادیات وغیرہ وغیرہ کے نام تو شامل ہیں۔ لیکن بھارت کا نام اس فہرست سے خارج ہے

بین الاقوامی اسلامی ، اقتصادی موتمر۔ شعوب المسلمین۔ موتمر شباب العالم الاسلامی ۔ دنیا اسلام کے دعویداروں کی ان جماعتوں میں سے کسی کو بھی یہ توفیق نہیں ہوئی کہ بھارت کی حکومت کی مذمت کرے۔ جس کے ہاتھ ہندوستان کے مسلمانوں کے خون سے رنگین ہیں۔ روس و فرانس کے خلاف تو ریزولیوشن پاس کئے گئے۔ لیکن ہندوستان کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا گیا۔

منبروں پہ چڑھ کے تقریریں بہت آسان ہیں
تیغ کے سایہ میں آکر مسکرا سکتا ہے۔ کون؟

"تقسیم کے بعد۔ ہندوستانی مسلمانوں پر ۔ عبوری دور گزر چکا۔ طوفان قدرے تھما ہے لیکن ایک طوفان اور ہے۔ جو کلچرل سیلاب کی سطح کے نیچے پرورش پا رہا ہے یہ طوفان خاموش ہے لیکن اس طوفان سے جو جسم و جان اور مال و جائداد سے آگ اور خون کی ہولی کھیلتا ہے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ طوفان دل و دماغ کی دنیا پر حملہ ہوتا ہے اور قوموں کے مزاج بدل ڈالتا ہے"۔

ہندوستان میں حکومت کی بنیاد لادینی اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ لیکن اسکولوں میں جو نصاب تعلیم پڑھایا جا رہا ہے۔ اس میں صرف ہندو فرقہ کے عقائد و روایات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ دیگر مذاہب خصوصاً اسلامی عقائد اور اسلامی دینی رجحانات کو درس سے خارج کر دیا گیا ہے۔

؎ ضیاء الحسن فاروقی۔ مدینہ بجنور۔ یوپی ۱۴ر فروری ۱۹۵۷ء

اس حقیقت سے انکار کی کسی کو مجال نہیں ہے کہ ہندوستان میں ایک عرصہ سے کلچر کا نام لے کر ہندومت کی تبلیغ کی جارہی ہے اور حکومت اس تبلیغ کی روح رواں ہے .... حکومت کے وہ تمام محکمے جنہیں تبلیغ کے مواقع حاصل ہیں۔ اس فرض کو انجام دے رہے ہیں ...... تعلیم کے محکمہ کی دسترس چونکہ براہ راست بچوں سے ہے اس لئے یہ سب سے زیادہ خطرناک ہے"۔

اکثر اخباروں میں وزیر اعظم بھارت پنڈت جواہرلال نہرو کی ایک تقریر کا یہ جملہ میری نظر سے گزرا ہے،

"پاکستان میں لوگ زیادہ جذباتی نہیں رہے"۔

اس چھوٹے سے جملہ کا مفہوم یہ ہے۔ کہ پاکستان کے مسلمانوں میں جو اسلامی جذبات کا ایک بے پناہ سیلاب موجیں مار رہا تھا۔ وہ اب سرد ہو گیا ہے۔

وائے ناکامی۔ متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا (علامہ اقبالؒ)

اغیار خوش ہیں کہ پاکستان نے اس متاع عزیز کو ضائع کر دیا ہے۔ اُف۔ اس طعنۂ دل خراش کی چوٹ مہاجر کے دردمند دل سے پوچھئے۔

پاکستان کی خوش حالی

پاکستان کے ذمہ دار اور حکمران طبقہ کے بیانات کے مطابق۔ پاکستان دنیاوی اور مادی حیثیت سے ترقی کی سمت لانبے لانبے قدم اٹھا رہا ہے اور یہ ترقی ہر پاکستانی کے دل کو خوشی سے لبریز کر دیتی ہے .... لیکن جب ہم امریکی امداد پر غور کرتے ہیں۔ تو خدا جانے کیوں ہمیں لینن کا یہ بیان یاد آجاتا ہے جس میں اس نے انقلاب روس کے پانچ سال بعد روس کو "ایک ایسے اپاہج سے جو بیساکھیوں کے سہارے چل رہا ہے اور اس کے سارے چہرہ پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں" تشبیہ دی ہے۔

یہ دیکھ کر کہ پاکستان دینی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے ترقی کے بجائے تنزل کی طرف جارہا ہے تو دل مرجھا جاتا ہے۔ پاکستان میں عصمت دری۔ عورتوں کا اغوا قتل، ڈاکہ زنی، جیب تراشی اور نوزائیدہ

بچوں کے گلے گھونٹ کر مار ڈالنے کے جرائم روزانہ بڑھتے جارہے ہیں۔

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۵۴ء کی پہلی سہ ماہی میں پورے پاکستان میں سنگین جرائم کی ۱۰۲۵۳ وارداتیں ہوئیں۔ ان جرائم میں مشرقی پاکستان کا نمبر اول ہے اور پنجاب کا نمبر دوئم۔ کراچی میں تین ماہ میں ۵۹۱ وارداتیں ہوئیں۔ ملک فیروز خاں نون وزیر اعلیٰ پنجاب نے ۲۳ جنوری ۱۹۵۵ء کو ایک تقریر میں فرمایا۔ کہ "مجھے افسوس ہے۔ کہ بیس سال پہلے متحدہ پنجاب میں ہر سال قتل کی آٹھ وارداتیں ہوتی تھیں لیکن اب صرف پاکستانی پنجاب میں ہر سال ہزار۔ گیارہ سو وارداتیں ہو جاتی ہیں"۔[1]

جب[2] سے پاکستان بنا ہے۔ ضلع لاہور میں جنسی جرائم بڑھتے جارہے ہیں۔ ناجائز بچوں کی پیدائش میں اضافہ ہوتا جارہا ہے ۱۹۴۵ء میں زنا بالجبر کی ۳۰ رپورٹیں پولیس کے یہاں درج رجسٹر ہوئیں۔ لیکن ۱۹۴۸ء میں یہ تعداد ۵۴ تک پہونچ گئی تھی۔ ۱۹۴۵ء میں ناجائز بچوں کی ولادت تعداد صرف ۹ تھی۔ لیکن آٹھ برس کے بعد ناجائز بچوں کی ولادت کی تعداد ۱۴۱ ہے۔

پنجاب[3] میں جو طبقہ ذرا آزاد خیال ہے۔ وہ قانون امتناع شراب کی تنسیخ ہی چاہتا ہے ......
صحیح اعداد تو فراہم نہ ہو سکے۔ تاہم اندازہ یہ ہے کہ صوبہ پنجاب میں ۱۰ ہزار سے اوپر اشخاص کے پاس طبی ضرورت کی بنا پر شراب کے پرمٹ موجود ہیں۔

پاکستان کی ایک[4] مسیحی انجمن کے صدر کے قلم سے بہ سلسلہ امتناع شراب نوشی "اقلیتی فرقہ اس قدر شراب نوشی نہیں کرتا جس قدر خفیہ اور ظاہری طور پر ہمارے مسلمان بھائی کر رہے ہیں"۔
کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ یہ جرائم اس ملک میں بڑھتے جارہے ہیں۔ جس کے نوے فیصدی باشندے اسلام کے پیرو ہیں۔ اور اسلام وہ مذہب ہے۔ جس نے دنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ پاکیزگی نفس اور خدا ترسی پر زور دیا ہے۔

---

[1] روزنامہ جنگ کراچی ۔ ۲۵ جنوری ۱۹۵۵ء۔ [2] ڈان کراچی ۔ لاہور ۲۸ اگست ۱۹۵۵ء [3] اسٹیٹسمین ۔ ۱۲ اگست ۱۹۵۵ء ۔ اس کے وقائع نگار۔ لاہور کے قلم سے۔ ۔ از صدق لکھنؤ ۔ [4] صدق لکھنؤ

یہ صحیح ہے کہ پاکستان میں اسلامی اصولوں پر عمل نہیں کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ پاکستان یہ کہہ کر بنایا گیا تھا کہ یہاں ایک ایسی حکومت بنائی جائے گی جس میں اسلامی اصولوں پر عمل کیا جائے گا۔

شہید ملت لیاقت علی خان صاحب نے بار بار اس پر زور دیا تھا کہ پاکستان میں غریبوں کو زیادہ غریب اور امیروں کو زیادہ امیر نہیں بننے دیا جائے گا۔ لیکن ۹ سال گزرنے کے بعد بھی چند سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو چھوڑ کر عوام اسی طرح غریب ہیں۔ تباہ حال ہیں، اور پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔

منصوبہ بندی بورڈ کے صدر مسٹر زاہد حسین نے دماغی صحت کے مباحثہ میں تقریر کرتے ہوئے پاکستانی عوام کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے:-

"پاکستان مذہب کی بنیاد پر بنایا گیا تھا۔ اور ہمارے سماجی اور انفرادی مسائل کا علاج یہ ہے۔ کہ ہم انہیں مذہب کے نقطۂ نظر سے حل کرنے کی کوشش کریں۔ ایک ایسے ملک میں جو زیادہ مذہبی ہو۔ مذہبی اثر کو ختم کرنے کی کوشش گمراہ کن ہے۔ اس سے ملک کے انتشار اور مشکلات میں اور زیادہ اضافہ ہوگا۔

پاکستان کے عوام کی زندگی میں انتشار کا اولین سبب غربت ہے۔ کیونکہ پاکستان اپنے قدرتی وسائل سے فائدہ اٹھانے، اور اس پر قابو پانے کے سلسلہ میں بے حد پس ماندہ ہے۔

آبادکاری

پاکستان کو بنے ہوئے آٹھ سال ہو چکے ہیں۔ لیکن ابھی تک مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ ایک عقدہ لاینحل بنا ہوا ہے۔ حکومت اور عوام کی نیک نیتی میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن ہم میں اگر کوئی کمی ہے تو وہ جوش عمل کی۔ زندہ اور باعمل قوموں کی طرح نہ تو ہماری روح میں کوئی گرمی ہے اور نہ ہمارے دلوں میں کوئی تڑپ ہے۔

(۱) وزیر تعلیمات مولانا ابوالکلام نے سفر یورپ سے واپسی پر ایک پبلک جلسہ میں جرمنی سے متعلق تقریر میں فرمایا۔ کہ دوسری جنگ عظیم سے، جرمنی میں جب تباہی آئی۔ تو اس کی سب سے زیادہ بھیانک شکل میں بڑے بڑے پر رونق شہروں میں فیصدی ستر ستر۔ اسی اسی مکانات

(۱) روزنامہ ڈان ۲۹ رجنوری ۱۹۵۵ء (۲) صدق جدید لکھنؤ۔

کھنڈر بن گئے ۔۔

ـــــ سنہ ۱۹۵۰ء سے قبل تو آبادکاری کا موقع ہی نہ مل سکا۔ یہ امکانات سنہ ۱۹۵۰ء سے شروع ہوئے اور اس پانچ سال کی قلیل مدت میں جرمنی نے نہ صرف اپنی تباہی و بربادی کے اثرات دھوڈالے بلکہ اپنی رونق میں پہلے سے بھی بڑھ گیا ہے۔

میں نے دیکھا کہ جرمن قوم کے ہر فرد میں ایک لگن ہے۔ اور مرد ہو یا عورت ہر شخص اسی دھن میں سرگرم ہے کہ ملک جلد سے جلد آباد ہو اور آگے بڑھے چنانچہ سرکاری ملازم ہو یا کارخانہ کے مزدور اپنی ڈیوٹی سے کہیں زیادہ وقت صرف کرتے ہیں۔ دفتر کا وقت اگر دس بجے ہے تو صبح ۸ بجے پہونچ کر کام شروع کر دیتے ہیں۔ اور ان کو اس کا وسوسہ بھی نہیں گزرتا کہ معینہ تنخواہ کے علاوہ زیادہ کارگزاری اور اوور ٹائم کا کوئی معاوضہ وصول کریں"۔[1]

(۲) سوویٹ روس[2] نے تعمیر کے سہ سالہ منصوبہ کو صرف دو سال میں اختتام کو پہونچایا ہٹلری حملوں نے وہاں کی عمارتوں کو اس قدر شدید نقصان پہونچایا تھا کہ درجنوں شہر اور ہزاروں گاؤں کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے تھے۔ دو کروڑ اور ۵۰ لاکھ عوام بے خانماں ہو گئے۔ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ مربع میٹر سے زیادہ رقبہ کے رہائشی مکانات تعمیر کرکے تمام بے گھروں کو اس میں بسا دیا گیا"

لاہور کے مسلمانوں کی مہمان نوازی

لاہور[3] کرکٹ ٹیسٹ میچ کو دیکھنے کے لئے ہزاروں ہندوستانی ۔ (ہندو اور سکھ) ۔ لاہور آئے تھے۔ مسلمانوں نے ان کی بے انتہا خاطر تواضع کی۔ ایک مسلمان نے اپنی ماں اور بہن کے قاتل کو مہمان بنا کر رکھا۔ ایک نامہ نگار نے لکھا ہے کہ میں خود چوک قلعہ گوبند سنگھ میں کھڑا تھا۔ میں نے سکھ کے رونے اور مسلمان کے معافی دینے کی وجہ پوچھی۔ لہنا سنگھ نے آنسو بہاتے ہوئے کہا کہ میں نے

[1] سیدہ انیس فاطمہ بریلوی۔ العلم جنوری ۱۹۵۲ء۔ [2] آزاد ہند کلکتہ ۷ فروری ۱۹۵۵ء [3] مدینہ بجنور ۲۵ فروری ۱۹۵۵ء

غلام محمد کی والدہ کو جو میری والدہ کی طرح تھی۔ اور غلام محمد کی ہمشیرہ کو جو میرے لئے ہمشیرہ کی طرح تھی۔ فسادات میں شہید کر دیا تھا۔ اس کے بعد لہنا سنگھ خاموش ہو گیا۔ اور غلام محمد کے پاؤں میں بیٹھ گیا۔ غلام محمد نے اٹھا کر اسے سینے سے لگا لیا۔ اور صرف اتنا کہا۔ کہ میں مسلمان ہوں اور لہنا سنگھ میرا مہمان ہے۔

غلام محمد کی مہمان نوازی کی یہ تنہا مثال نہیں ہے۔ پاکستان کے لاتعداد مسلمانوں نے سکھ اور ہندو قاتلوں کی اسی طرح مہمان نوازی کی ہے۔

بسملوں کی اس تنگ ظرفی کو دیکھا چاہیئے
اک ذرا سے لطف میں ممنون قاتل ہو گئے (نیاز فتحپوری)

لاہور ٹیسٹ میچ کے بعد ۵۰-۶۰ ہزار مسلمان جالندھر اور امرتسر میں پاکستان اور ہندوستان کی ہاکی ٹیموں کا میچ دیکھنے کے لئے مغربی پنجاب سے گئے تھے۔ جالندھر اور امرتسر میں سکھوں اور ہندوؤں نے ان کی خاطر و مدارات میں کوئی کمی باقی نہیں رکھی۔

سرزمین پاکستان کے بہت سے مجاہدوں کو امرتسر اور جالندھر کے ہوٹلوں اور پارکوں میں شراب کے نشہ سے اس قدر چور ... دیکھا گیا۔ کہ ان کے ہوش و حواس زائل ہو چکے تھے۔ اور بھارتی میزبان اپنے بے ننگ و نام پاکستانی مہمانوں کو دیکھ کر شرم و نفرت سے منہ پھیر لیتے تھے۔

کھوکھرا پار کا راستہ سرکاری طور پر بتایا گیا ہے۔ کہ کھوکھرا پار کے راستہ سے مہاجرین کا داخلہ یکم اگست ۱۹۵۵ء سے بند کر دیا گیا ہے۔ اب سرحد پار کرنے والوں کو پاسپورٹ اور ویزا لینا پڑے گا۔

قیام پاکستان سے کچھ عرصہ تک بھارتی مسلمانوں کی توقعات پاکستان سے وابستہ رہیں حالانکہ پاکستان بھارت کے مسلمانوں سے کوئی عملی ہمدردی نہ کر سکا۔ کھوکھرا پار کا راستہ بند ہو جانے سے اب بھارت کے مسلمان پاکستان سے قطعاً مایوس ہو چکے ہیں۔ جڑ کٹ گئی نخل آرزو کی۔

جب بھارت میں مسلمان زیادہ ستائے جاتے تھے۔ اور صبر و ضبط کا پیالہ لبریز ہو جاتا تھا۔ تو وہ پاکستان کو زیادہ دارالامن سمجھ کر ہجرت ہی کو ترجیح دیتے تھے۔ کھوکھراپار کا راستہ بند کر کے بھارت کے ہم کروڑ مسلمانوں کو بھارت کی اکثریت کے قدموں پر ڈال دیا ہے۔ یہ پہلے ہی بے یار و مددگار تھے۔ اب یہ اور مصیبتوں اور تباہیوں کا شکار ہو جائیں گے۔ آئے دن ہندو مسلم فسادات سے بھارت کے مسلمان پریشان رہتے تھے۔
بھارت میں ملازمت کے دروازے مسلمانوں پر بند کر دیئے گئے ہیں۔ تجارتی آسانیاں مسلمانوں کے لئے خواب پریشان سے کم نہیں۔ صنعت و دستکاری میں اکثریت کے غلام ہیں۔ مذہبی اعتبار سے ایسی توہین و تذلیل کی جاتی ہے۔ کہ اپنا دل پکڑ کر رہ جاتے ہیں۔ پاکستان میں وہ اس لئے آتے ہیں۔ کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے باعزت زندگی گزار سکیں۔ اور اپنی آئندہ نسلوں کو کفر کے ظالم ہاتھوں کی گرفت سے بچا سکیں۔ پاکستان کی حکومت کا فرض تو یہ تھا۔ کہ کھوکھراپار کا راستہ بند کرنے کے فیصلہ سے قبل بھارت کی حکومت سے بھارتی مسلمانوں کے جان و مال کے تحفظ کی کوئی ضمانت طلب کرتی۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا
اپنی ماہانہ نشری تقریر میں وزیر اعظم پاکستان مسٹر محمد علی (بوگروی) نے فرمایا ہے کہ یکم جولائی ۱۹۵۵ء تک کھوکھراپار کے راستہ سے تقریباً ۲ لاکھ مہاجر پاکستان آ چکے ہیں۔ کھوکھراپار کا راستہ ایک ایسا رستا ہوا ناسور ہے۔ جس کی وجہ سے پاکستان میں آبادکاری کا مسئلہ پیچیدہ ہو گیا ہے"۔
ہم نے اس بیان کو اپنے سینوں پر پتھر رکھ کر پڑھا ہے۔ کاش! یہ ملک صحیح معنوں میں اسلامی جمہوریہ ہوتا۔ تو ہم وزیر اعظم کا گریبان پکڑ کر اس بیان کی وضاحت طلب کرتے۔ یہاں تو دستور زباں بندی بری طرح اس جرأت رندانہ سے روکتا ہے

بات پر یاں زباں کٹتی ہے ۔۔۔ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

لیاقت نہرو معاہدہ کے مطابق بھارت کی حکومت اس بات پر راضی ہو گئی تھی۔ کہ وہ ان تمام پناہ گزینوں کو جو کہ یکم فروری ۱۹۵۰ء سے لے کر ۳۱ مئی ۱۹۵۰ء تک کھوکھراپار کے راستہ سے پاکستان میں داخل ہوئے تھے۔ واپس لے لے گی۔ جن کی تعداد تقریباً ۲,۴۰,۸۱۹ ہے۔ بھارت کے وزیر خارجہ نے لوک سبھا میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ بتانا مشکل ہے کہ ابھی

کتنے ایسے مسلمان پاکستان میں ہیں. جو قاعدہ کی رو سے ہندوستان واپس آنے کے مستحق ہیں. ان لوگوں کے متعلق حکومت پاکستان کو ایک فہرست تیار کر کے ہندوستان کو دینی چاہیئے تھی. لیکن ابھی تک یہ فہرست[1] نہیں دی گئی ہے"

اگر پاکستان کی حکومت مسلسل جد و جہد جاری رکھتی تو معاہدہ کے مطابق ۸۱۹ر۳۰ر۲ مسلمان بھارت واپس چلے جاتے. اور کھوکھرا پار سے پاکستان میں آنے والوں کی تعداد گھٹ کر ۵۸۹ر۴۷ر۵ کے بجائے صرف ۰۰ر۴۳ر۳ رہ جاتی. مسٹر لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد ہماری حکومت نے کوئی خاص توجہ مبذول نہیں کی.

مسٹر غیاث الدین پٹھان وزیر اقلیت مشرقی پاکستان نے ایک بیان میں کہا ہے[2] کہ مسلمان، واپسی ہند کے بعد بھی زیادہ پریشان ہیں ـــ مغربی بنگال میں سینکڑوں مسلمان لیاقت نہرو معاہدہ کے تحت واپس اپنے اپنے مکانوں کو آگئے تھے. وہ بے گھر، بے در پڑے ہیں. آج تک نہ تو ان کی املاک واپس کی گئی ہیں. اور نہ ان کے مکانات وغیرہ دیئے گئے. اس کے برعکس مشرقی پاکستان میں جو ہندو واپس آئے ہیں. ان کی اراضیات و املاک واپس کر دی جاتی ہیں. یہی نہیں اگر مسلمان ان کے مکانات میں الاٹمنٹ لے کر مقیم ہوں. تو یہ الاٹمنٹ فوراً واپس کر دیئے جاتے ہیں اور مکانات و املاک کا قبضہ فوراً ہندو کو دے دیا جاتا ہے.

ہماری حکومت میں تمام خوبیاں موجود ہیں. لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ ہماری حکومت بھارتی حکومت سے کیوں اس قدر مرعوب ہے.؟

ہم نے پاکستان کے ارباب اقتدار کو بھارت کی مہمان نوازی پر اکثر رطب اللسان پایا ہے ایک مرتبہ ہمارے وزیر اعظم مسٹر محمد علی (بوگروی)، کا بھارت کے لذیذ کھانوں سے ایک پونڈ وزن بھی بڑھ گیا تھا. لیکن مسلمانوں کی ذلت و توہین اور ناقابل برداشت بے کسی و بے بسی پر ہم نے اپنی حکومت کو کبھی چین بہ جبیں نہیں دیکھا

مسلمان نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

[1] اخبار مدینہ بجنور ۱۳ر دسمبر ۱۹۵۴ء [2] نئی روشنی کراچی ۱۹ر مئی ۱۹۵۵ء

مہاجرین پاکستان کیخلاف افغانستان کی معاندانہ روش

افغانستان کے ارباب اقتدار کے دماغوں پر نسل پرستی کا جنون عرصہ سے طاری ہے
اس لئے افغانستان کی روش پاکستان کے خلاف ہمیشہ معاندانہ رہی ہے اور یہ جنون روز بہ
روز شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ پاکستان کی تعمیر میں زیادہ تر مہاجروں کا خون صرف ہوا ہے،
اس لیے مہاجرین پاکستان کے خلاف افغانستان کی حکومت کا قہر و غضب ہمارے لئے
باعث حیرت نہیں ہے۔

کابل ریڈیو نے اپنے ایک نشریہ میں اعلان کیا ہے۔ کہ حکومت افغانستان اس
بات کے سخت خلاف ہے۔ کہ ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجرین کو صوبہ سرحد
میں بسایا جائے ....

.... ریڈیو نے مطالبہ کیا ہے۔ کہ ۱۹۴۷ء میں جو زمینیں صوبہ سرحد
میں ہندو پختونوں نے چھوڑی ہیں۔ ان پر مسلمان پختونوں کو بسایا جائے۔

لاہور۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۵۵ء۔ اخبار مدینہ بجنور۔ یوپی۔ ۵ جنوری ۱۹۵۶ء

بھارتی ہائی کمشنر کا ایک شرارت آمیز بیان

بھارتی ہائی کمشنر مقیم کراچی۔ مسٹر سی۔ سی ڈیسائی نے ۱۵ دسمبر ۱۹۵۵ء کو بمبئی میں ایک بیان
میں کہا کہ اگر بھارت کی سرحدیں کھول دی جائیں۔ تو ۵۰ فیصدی سے زیادہ مسلمان مہاجرین پاکستان
سے بھارت آنا پسند کریں گے۔ مسلمان مہاجرین بھارتی ہائی کمشنر کے دفتر میں کثرت سے آ
رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں۔ کہ ہم نہ اپنا روزگار واپس لینا چاہتے ہیں۔ اور نہ جائداد کی واپسی

کا حق چاہتے ہیں۔ ہمیں صرف بھارت واپس جانے کی اجازت دی جائے"

مسٹر ڈیسائی کا یہ بیان شرارت سے لبریز ہے۔ پاکستان کے تمام اخباروں نے اس بیان کی مذمت کی ہے۔ اسی بیان کا صحیح جواب جناب مولانا حفیظ الرحمن صاحب ممبر بھارت پارلیمنٹ نے لوک سبھا میں دیا ہے۔ مولانا کی یہ تقریر مسٹر ڈیسائی کے لغو اور باطل بیان کی پوری تردید ہے۔ جناب مولانا صاحب نے حد بندی کمیشن کی بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا:۔

۱۹۵۱ء کے فسادات کے زمانہ میں بنگال میں جہاں بیچارے مظلوم پناہ گزین آرہے تھے۔ یہاں کے مسلمان بھی فسادات کی بنا پر اکھڑ گئے تھے۔ اس وقت کچھ مسلمانوں کے بسانے کا سوال پیدا ہوا۔ حکومت نے اس پر توجہ دی اور وعدہ کیا کہ وہ مسلمان جو پاکستان نہیں گئے۔ ضرور بسائے جائیں گے۔ اور ان کو مع دوکان دیئے جائیں گے۔ لیکن آج آٹھ برس ہو گئے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہزاروں مسلمان ایسے موجود ہیں جن کے بارے میں۔ میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ وہ ہوڑہ، دیناج پور، جلپائی گوڑی، اور بہت سے ایسے مقامات میں پڑے ہیں۔ جو کہ ہندوستان ہی کے رہنے والے ہیں۔ وہ یہاں کے باشندے ہیں۔ اور پاکستان بھی نہیں گئے۔ اس کے باوجود بھی وہ اپنے گھروں سے محروم ہیں۔ آج تک ان کو گھر نہیں ملے۔ ایک حکم بنگالی گورنمنٹ نے نکالا۔ جس میں اس نے کہا کہ جب تک پناہ گزینوں کا انتظام متبادل طور پر نہیں ہو جائے گا۔ اس وقت تک ان کو مکانات نہیں ملیں گے۔ میں اس چیز کو صحیح نہیں مانتا ہوں۔ ان پناہ گزینوں کے ساتھ لانا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہندوستان ہی میں رہ رہے ہیں۔ اور پاکستان بھی نہیں گئے۔ یہ آدمی جو اپنے گھروں سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ یہ بیچارے اپنے گھروں کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ کہ اپنے ہی گھروں میں ان کو جانے کی اجازت نہیں ہے ——— (اخبار مدینہ بجنور۔ یکم جنوری ۱۹۵۶ء)

سرگزشت پاکستان

اس سرگزشت کی تحریر سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ مہاجر فرشتے ہیں۔ اور پاکستان کے باقی باشندے شیطان مجسم ہیں۔ اخلاقی پستی کے لحاظ سے مہاجر اور انصار دونوں برابر ہیں۔ دونوں طبقوں میں اچھے اور برے ۔ دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں۔ اگر انصار بھائی مہاجروں کے ساتھ محبت آمیز سلوک نہ کرتے تو مہاجروں کی زندگی ناقابل برداشت ہو جاتی۔ خاص طور پر مغربی پاکستان میں۔ انصار بھائیوں کی اکثریت نے مہاجروں کے ساتھ انسانیت، شرافت اور خلوص کا برتاؤ کیا ہے۔ اب ہمیں مہاجر و انصار کے امتیاز کو بھول جانا چاہیئے۔ اور دنیا میں پاکستان کے وقار کو بلند کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہم دونوں کو چاہیئے کہ پاکستان میں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔

صوبہ واری، تنگ خیالی میں، مہاجر، انصار سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ جس طرح پاکستان کے مقامی باشندے، سندھی، پنجابی، بلوچی، سرحدی اور بنگالی تعصب و تنگ خیالی میں مبتلا ہیں۔ اسی طرح مہاجر کا دامن بھی ــ باوجود اتنی تباہی و بربادی اور ذلت و خواری کے ــ بہاری، دہلوی حیدرآبادی، کاٹھیاواڑی، اور لکھنوی وغیرہ وغیرہ کے ــ گناہ عظیم سے پاک نہیں ہے

میں نے مہاجروں کے ــ "درد کراہ" ــ کو کاغذی پیرہن میں اس لئے پیش کیا ہے تاکہ پاکستان کا ہر باشندہ، مہاجروں کے مصائب اور جذبات سے واقف ہو سکے۔ اگر اس کوشش میں مجھے تھوڑی بہت کامیابی حاصل ہو سکی۔ تو سمجھ لیجئے کہ میری کاوشوں کی داد مل گئی۔

کلام دردؔ، مصداق "ز دل خیزد، بہ دل ریزد"

اثر پیدا کرے شاید کسی درد آشنا دل میں (علامہ دردؔ بریلوی)

مجھے اس بات کا احساس ہے کہ اکثر جگہ شدت جذبات کی وجہ سے انداز بیان میں تلخی سی پیدا ہو گئی ہے۔ ؎ گراں گزرے گا حرف آرزو اس طبع نازک پر

ع علامہ ابوالکمال مولوی سید محمد عبد الودود

لیکن میں اس کے لئے طالب معذرت نہیں۔ سچائی ہمیشہ کڑوی ہوتی ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کہ پاکستان کی عالی شان عمارت مہاجروں کی لاشوں پر تعمیر ہوئی ہے۔ اس لئے مہاجر کے اس پندار کا پاکستان میں کوئی حریف نہیں ہو سکتا ہے۔ میں بھی مہاجر ہوں اور میرا دل دکھا ہوا ہے۔

دل پر گزر گئی کچھ، تب ہی تو لب تک آخر

آہیں بھی چند پہونچیں، نالے بھی چند پہونچے۔ (حسرت موہانی)

اب تک پاکستان میں مہاجروں کے متعلق بہ کثرت کتابیں اور مضامین۔ موافق اور مخالف صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن کوئی ایسی کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ جس میں مہاجر کے نقطہ نظر کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ یا مہاجر کے درد دل کی صحیح کیفیت کو بیان کیا ہو۔

میرے محترم اور مخلص رفیق کار جناب مولوی عظمت حسین صاحب بریلوی (وارد حال شکارپور) کی یہ خواہش تھی۔ کہ ایک کتاب مہاجر کے نقطہ نظر سے لکھی جائے۔ جیسی کتاب وہ چاہتے ہیں۔ ویسی میں ترتیب نہ دے سکا۔ اور نہ اس کے لئے حالات سازگار ہیں۔ مہاجر کا افسانہ بہت طویل ہے اگر لکھنے کی سعی کی جائے تو متعدد ضخیم جلدیں تیار کرنے کے بعد بھی یہ ہی کہنا پڑے گا۔

بود اجمال من، مشتاق تفصیل

"ہجرت کے آٹھ سال پاکستان میں" - نہایت ہی مختصر کتاب ہے۔ اور ایک بحر بیکراں کو قطرہ میں سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں نے مہاجرین کے متعلق ان صفحات پر ان معلومات کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن سے مستقبل کا مورخ کچھ استفادہ کر سکے۔

میں اچھی طرح واقف ہوں کہ اس کتاب میں خامیاں اور کوتاہیاں ہیں۔

بہت سعی کیجئے تو مر رہیئے۔ میر

بس، اپنا تو۔ اتنا ہی مقدور ہے

یہاں ان رسالوں، اخباروں اور کتابوں کی فہرست دی جا رہی ہے۔ جن سے اس کتاب کی ترتیب میں مدد کی گئی ہے۔

(۱) العلم۔ کراچی

(۲) چٹان، لاہور

(۳) قومی زبان۔ کراچی۔

(۴) اخبار صدق۔ جدید لکھنؤ

(۵) اخبار مدینہ بجنور (یو۔پی)

(۶) اخبار مقاصد۔ کراچی

(۷) اخبار کوثر۔ لاہور

(۸) روزنامہ الجمعیتہ۔ دہلی

(۹) روزنامہ جنگ۔ کراچی

(۱۰) روزنامہ انجام۔ کراچی

(۱۱) روزنامہ امروز۔ کراچی

(۱۲) روزنامہ نئی روشنی کراچی

(۱۳) روزنامہ ڈان۔ کراچی۔ (انگریزی)

(۱۴) ایوننگ ٹائمز۔ کراچی (انگریزی)

(۱۵) تاریخ اسلامی (سندھ) از پروفیسر محمود بریلوی

(۱۶) تاریخ سندھ مطبوعہ دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ۔ یو۔پی۔ مصنفہ مولانا سید ابوظفر ندوی

(۱۷) مہاجرین کا مسئلہ از آغا محمد اشرف

(۱۸) مورخ اسلام علامہ اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی مرحوم (یو۔پی)

(۱۹) مولانا ابو الکلام آزاد کی تقریر

(۲۰) رہنما (عہد نبوی)، از احسن

(۲۱) علم الاقوام (حصہ دوم)، مطبوعہ انجمن ترقی اردو۔ دہلی

(۲۲) تاریخ انقلابات عالم (جلد اول) مصنفہ سید ابو سعید بزمی

(۲۳) تاریخ اسلام۔ جلد ششم۔ مولفہ عبدالرحمن شوق و عبدالحلیم نشتر جالندھری

(۲۴) سود (حصہ دوم) مولانا ابو الاعلیٰ مودودی

(۲۵) پاکستان آج اور کل ۱۹۵۱ء

(۲۶) پاکستان کے تین سال۔

بسمل

۵ اگست ۱۹۵۵ء

تعارف و تبصرہ

از جناب کیپٹن ڈاکٹر محمد ایوب خانصاحب کوئٹہ

محترمی ڈاکٹر محمد عبدالغفور صاحب بسمل کی پاکستان بننے کے بعد یہ دوسری تصنیف ہے جو منصۂ شہود پر آرہی ہے۔ تحریر میں تلخ نوائی۔ مبالغہ یا جابرانہ نکتہ چینی نام کو نہیں۔ درد دل کی صدا ہے۔ جو مہاجرین کی بیچارگی، کس مپرسی، بدحالی سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے۔ اعداد و شمار بڑی کد و کاوش سے جمع کئے گئے ہیں۔ اور اکابر پاکستان کی تقاریر۔ اور اخبارات کے اقتباسات بڑی عرق ریزی سے فراہم کر کے حوالوں کے ساتھ مرتب کئے گئے ہیں۔ اس تصنیف کا کوئی تعمیری اثر حکومت پاکستان قبول کرتی ہے۔ یا نہیں۔ اس کا ثبوت تو آئندہ چند سالوں میں مل سکے گا۔ گزشتہ آٹھ سالوں میں جب کچھ نہ ہو سکا۔ تو آئندہ بھی کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ رپ وان ونکل کی سی مسلسل خوابیدگی اب بھی جاری رہے گی۔ بہر حال مہاجرین کو اتنا اطمینان ضرور ہو جائے گا۔ کہ کسی نے ان کی صحیح نمائندگی کی۔ اور ان کی زبوں حالی کی صحیح کیفیت کو حکومت اور عوام الناس کی نگاہوں میں عیاں کر دیا۔ اور اس کے مطالعہ کے بعد پاکستان کے قدیم باشندوں کو جنہیں بہ ہیئت مجموعی اگر برادران یوسف نہیں کہا جا سکتا۔ تو انصار کہنا بھی "شاید" صحیح نہ ہو۔ یہ اندازہ ہو جائے گا۔ کہ مہاجرین کے سلسلہ میں ان کی صحیح پوزیشن کیا ہے

مہاجرین کی جماعت بندی

(۱) مہاجرین کی صف اول میں ان غربا اور عوام الناس کا شمار ہے۔ جو مشرقی پنجاب، دہلی یو۔پی۔ حیدر آباد، سی پی بہار اور ہندوستان کے دوسرے حصوں سے اپنے اعزا کی جانیں

اپنی بیویوں، اور بہو بیٹیوں کی متاع عصمت اور مال و جائیداد لٹا کر صرف تین کپڑوں میں پاکستان پہونچے۔ اے عزیزو۔ ان مجاہدوں کے مصائب اور قربانیوں کی تفصیل اگر سننی ہو۔ تو نابھ پٹیالہ۔ کپورتھلہ۔ دہلی، گڑھ مکتیشر، پہلی بھیت اور حیدر آباد کی دل دوز داستانیں اور ہوشربا واقعات معلوم کرو۔ جن سے دنیا کی تاریخ میں چنگیز خان اور ہلاکو کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور نادر خان کی کامرانیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔ اگر درد دل رکھتے ہو۔ تو خون کے آنسو بہاؤ، اگر ہمت مردانہ رکھتے ہو تو کچھ کارہائے نمایاں کرکے دکھاؤ .... ان مہاجروں میں سے بیشتر تکلیف اور کس مپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

(۲) دوسری صف میں وہ اکابر شامل ہیں۔ جنہوں نے تقسیم سے پہلے سچے دل سے قائد اعظم کی تحریک کو لبیک کہا۔ مسلم لیگ کے ساتھ پورا تعاون کیا۔ اور پاکستان کی تعمیر و تخلیق کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اور تقسیم پاکستان کے بعد مقامی حکومت کے معتوب ہوئے۔ اور جان مال کے نقصان کے علاوہ قید و بند کی مصیبتوں میں بھی گرفتار ہوئے۔ بھارت کی لادینی حکومت نے ان کے خلاف جھوٹے مقدمے کھڑے کئے۔ مسلسل ایذا رسانی اور منظم سرکاری دباؤ کے ذریعہ انہیں بھارت چھوڑنے پر مجبور کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آزادی وطن اور تخلیق پاکستان کی خاطر قربانیاں کیں۔ وہ اپنے وطن میں معزز و محترم اور صاحب حیثیت تھے اور تقسیم ہند کے بعد اپنا وطن چھوڑنے اور تقسیم سے قبل کے اپنے غریب رفقا اور عام مسلمانوں کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ لیکن بھارت کی حکومت تقسیم کے بعد بھارت میں صرف ۲۔ ۳ قسم کے مسلمانوں کا وجود برداشت کرنے کی پالیسی پر عمل کر رہی ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے

(۱) گنتی کے وہ مسلمان اکابر جنہوں نے شروع سے کانگریس کے ساتھ تعاون کیا۔

(۲) وہ زمانہ ساز مسلمان جو اب ذاتی مفاد کی خاطر کانگریس کی حمایت کر رہے ہیں۔ یہ لوگ ہندو کانگریسی کے ساتھ روٹی اور بیٹی کا تعلق استوار کرنے پر آمادہ ہیں۔ مگر کانگریسی اب بھی جہاں تک کھانے کا سوال ہے ان سے اچھوتوں کا سا سلوک کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ اپنی بیٹیوں کا ناطہ ہندوں

دینے کے لئے تیار رہیں

(۳) وہ غریب مسلمان جنہیں فکر معاش سے بھی فرصت نہیں اور جنہیں منظم کرنے والے اب حکومت کی پالیسی کے طفیل موجود ہی نہیں۔ اور جن کے اب سیاست میں حصہ لینے کا کوئی امکان نہیں ہمارے یہ جبری جلا وطن اور پاکستان کے حقیقی معمار ۔ پاکستان پہونچنے کے بعد خاموشی سے اپنی زندگیوں کے دن گزار رہے ہیں۔ عام پاکستانیوں کی مجالس میں اپنی قربانیوں، تکلیفوں، مصیبتوں اور پریشانیوں کا ذکر نہیں کرتے اور پاکستان پہونچنے کے بعد اپنی جدو جہد اور فنی استعداد کی بدولت باعزت روزی کما رہے ہیں۔ حکومت پاکستان کے پاس ایسے خدمت گزاروں کی کوئی فہرست نہیں ہے اور نہ ان خاموش کارکنوں نے حکومت پاکستان کی کاسہ لیسی کا پیشہ اختیار کیا۔ وقت گزر رہا ہے اور اسی طرح زندگیاں بھی ختم ہو جائیں گی۔ لیکن یہ قابل عزت ہستیاں حسرت و یاس کا جذبہ لئے ہوئے اپنی قبروں میں چلے جائیں گے۔ ان معماران پاکستان کی صف اول میں ڈاکٹر محمد عبد الغفور بسمل اور ڈاکٹر بیگم عبد الغفور کا شمار ہے۔

(۴) اس گروہ میں وہ لوگ ہیں۔ جو تخلیق پاکستان کے مخلص حامی اور دعا گو تھے۔ لیکن انہوں نے تعمیر و تخلیق میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا۔ اور نہ کوئی خاص قربانی کی۔ (سوائے تھوڑی بہت جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کے نقصان کے)۔ مگر پاکستان بنتے ہی یہ لوگ اپنی محبوب سرزمین میں داخل ہو گئے۔ اور اپنی ذاتی ہنر مندی کی بدولت پاکستان پہونچتے ہی ویسی ہی خوشحالی اور مرفہ الحالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ جیسی کہ بھارت میں کرتے تھے۔ اس زمرے میں میں اپنے آپ کو شامل کرتا ہوں۔

(۵) مہاجروں کی اور بھی اقسام ہیں۔ وہ مہاجر جو پہلے سے پاکستان میں ملازمت اور کاروبار کے سلسلہ میں موجود تھے۔ لیکن ان کے اصلی وطن مشرقی پنجاب یا بھارت میں تھے۔ اور ان کی جائداد بھی پنجاب یا بھارت میں ہی تھیں۔ یا سرحدی علاقے یا بلوچستان کے وہ پٹھان جو ہندوستان میں نوکری تجارت یا لین دین کا کاروبار سالہا سال سے کرتے تھے۔ اور تقسیم کے بعد سرحد اور بلوچستان کے نقلی گاندھیوں کی وطنیت کے باوجود نہرو اور پٹیل کی حکومت نے ان لوگوں کو دوسرے مسلمانوں

کی طرح اسی ڈنڈے کے زور سے نکال باہر کیا۔ اور ان کے ساتھ کوئی رعایت جائز نہیں رکھی۔ اس گروہ کو مہاجرین کے پورے حقوق حاصل ہیں۔ بلکہ مکانوں، زمینوں اور دوکانوں کے الاٹمنٹ میں انہیں عام غریب مہاجروں پر افضلیت حاصل ہے۔ اس جماعت میں متعدد افراد ایسے بھی ہیں جو عندالضرورت مہاجروں، ملکیوں یا قدیم آبادکاروں۔ یعنی۔ سب کے حقوق سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

(۶) زمانہ ساز مہاجر۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ صف اول میں وہ لوگ ہیں۔ جن کا ڈاکٹر بسمل نے ذیل کے جملوں سے تعارف کرایا ہے۔ "یو۔ پی۔ سے کچھ بلند پایہ خاندان بھی پاکستان میں آگئے ہیں۔ جو وہاں بھی بادۂ عیش و راحت سے مست و سرشار تھے۔ ایک طرف ان پر انگریز کے لطف و کرم کی بارشیں ہو رہی تھیں۔ اور دوسری طرف مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اپنی آتشیں نواسنجی کی داد بھی حاصل کر رہے تھے۔ ان کی صحیح تصویر یہ ہے :۔

فکر لیڈر کو بہت ہے۔ گر آرام کے ساتھ۔ قوم کے غم میں ڈنر کھاتا ہے۔ حکام کے ساتھ

یہ خوش قسمت اور زمانہ پرست لوگ غریب مسلمانوں کی قربانی کے طفیل سے پاکستان میں جاہ و دولت کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہیں۔ ...."

ان اصحاب کی شناخت کے لئے مزید نقاب کشائی کی ضرورت نہیں۔

ان زمانہ ساز لیڈروں میں بعض نسبتاً کم رتبہ اصحاب بھی شامل ہیں۔ ان میں یو۔ پی کے کے علاوہ مشرقی پنجاب بلکہ مغربی پنجاب کے باشندے بھی شامل ہیں۔

مغربی پنجاب کے یہ نامی گرامی اصحاب کاروبار کے سلسلہ میں۔ یو۔ پی۔ سی۔ پی۔ بہار وغیرہ گئے وہاں شادیاں بھی کیں۔ اور اب بیویوں کے توسل سے نہ صرف مہاجر بلکہ مہاجروں کے لیڈر بنے ہوئے ہیں۔ اور اپنے لئے ملیں، مکانات، زمینیں، اور کارخانے الاٹ کرا چکے ہیں۔ آبادکاری کے افسروں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ اور اپنا الو سیدھا کرتے ہیں۔ اور اب مہاجروں کے نمائندہ بن کر میونسپل کمیٹیوں اور صوبائی اسمبلیوں کی ممبری کے امیدوار بھی ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں مہاجروں کا درد تو درکنار یہ تو ان کے کندھوں پر بندوق

رکھ کر شکار کھیلتے ہیں۔

دوسری قسم میں مہاجروں کا وہ اوباش، آوارہ، بدچلن اور بدذات طبقہ شامل ہے جو اچھے مہاجروں کے ساتھ پاکستان میں داخل ہو گئے۔ یہاں پہونچنے سے پہلے بھی معصیت اور بدقماشی سے کسب معاش کرتے تھے۔ اور اب بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرتا ہے۔ کہ میں ہزاروں، لاکھوں کی جائداد بھارت میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ یہاں ان کی گزران پہلے سے اچھی ہے۔ پھر بھی قدم قدم پر پاکستان کو کوستے ہیں۔ اور غلاظت اچھالتے ہیں۔ یہ لوگ مہاجروں کے پاکیزہ جسم پر بدنما داغ اور رستا ہوا ناسور ہیں۔

برِاعظم صغیر کے مسلمان ایک قوم ہیں

اب سے تقریباً ۲۵ سال پہلے سر عبدالرحیم مرحوم نے مسلم لیگ کے صدارتی خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ کہ قسطنطنیہ سے چین تک مسلمان جہاں بھی چلا جائے۔ ہر علاقہ کا مسلمان اس سے برادرانہ سماجی تعلق قائم کرنے میں پیش پیش ہوتا ہے۔ دعوتیں ہوتی ہیں، وہی دسترخوان، وہی پلاؤ اور کباب اور وہی رسم و رواج رونما ہوتے ہیں۔ اور نووارد کوئی اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔ اس کے برعکس ایک ہی شہر میں رہنے والا مسلمان اگر اپنے کسی ہندو دوست کے

عا تاشقند (روس) ۱۵ر جون ۱۹۵۵ء پنڈت جواہر لال نہرو۔ جب تاشقند پہونچے۔ تو انہوں نے مجمع کو اَسلام علیکم کہا۔ اس کے جواب میں مجمع نے وعلیکم السلام کہا۔ ایڈرس اردو میں پیش کیا گیا۔ پنڈت جی نے تقریر اردو میں کی۔ آخر میں ان لوگوں نے تندوری نان کباب پلاؤ اور قورمہ سے پنڈت جی کی خاطر کی۔ پنڈت جی کے ذاتی ملازم ہری کا کہنا ہے کہ پنڈت جی نے تاشقند کی دعوت میں جس چاؤ سے یہ مسلم کھانے کھائے ہیں اس سے زیادہ انہیں کھاتے ہوئے برسوں نہیں دیکھا گیا تھا۔ (صدق لکھنؤ ۲۹ر جولائی ۱۹۵۵ء)

یہاں مہمان ہو کر جائے تو غیریت و اجنبیت بلکہ نفرت و حقارت کا ایک پہاڑ حائل ہو جاتا ہے ہندو میزبان قریب ترین مسلمان کے یہاں سے بھاگ دوڑ کر کھانے کے برتن تلاش کرتا ہے اور اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے۔ اس سے ہر قدم پر تمدن اور رواج کا اختلاف واضح ہوتا جاتا ہے دونوں قوموں کی ایک ہزار سالہ یک جائی کے بعد بھی اس اجنبیت، بلکہ نفرت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ اچھوت کے ساتھ جو سلوک پہلے ہوتا تھا، اب بھی ہو رہا ہے۔ اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ اس کا تو ذکر ہی نہیں۔ اس سے قائد اعظم مرحوم کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ ہندو مسلم ثقافتی طور پر ایک قوم نہیں بن سکتے۔ مگر سرحد اور بنگال کے مسلمان بُعدِ مسافت کے باوجود ایک قوم ہیں۔ خود عبدالرحیم بنگال کے باشندے تھے۔ بھاشانی اور فضل الحق یا اس قسم کے دوسرے بزرگ جو اپنے افعال و اقوال کے ذریعہ سے صوبجاتی تعصب کی آگ بھڑکا رہے ہیں۔ حق ناشناس اور پاکستان کے دشمن ہیں۔ کوٹری کے میونسپل انتخاب میں ایک مسلمان مہاجر کے مقابلہ میں ایک ہندو خاتون کا چناؤ۔ یا۔ ڈھاکہ میں اشتیاق حسین قریشی کے مقابلہ میں کلکتہ کے ایک ہندو کا تقرر۔ بدترین صوبجاتی تعصب کا مظہر ہے۔ اسی طرح کا تعصب پاکستان کے سرکاری حلقوں میں۔ انگریزوں کے مقابلہ میں قابل مسلمان افسروں کے ساتھ برتا جا رہا ہے۔ تقسیم کے وقت کئی نااہل اور غیر ضروری افسروں کی خدمات حاصل کی گئیں بلوچستان کے محکمہ طب میں ایک قابل مہاجر مسلمان افسر کے مقابلہ میں ایک بدنام انگریز افسر کو نہایت بدنما طریقے پر برسوں سے ترجیح دی جا رہی ہے۔

بلوچستان اور مہاجروں کی آبادکاری

بلوچستان میں ۱۹۵۰ء میں ایک مہاجر نے ٹیچری کی درخواست دی۔ محکمہ تعلیم کے متعلقہ افسر مہاجر مذکور کو عرصہ تک خالی وعدوں پر ٹالتے رہے حسن اتفاق سے محکمہ کی ایک خاتون

افسر عارضی طور پر محکمہ کے افسر اعلیٰ کے عہدہ پر متعین ہو گئیں. انہوں نے میری توجہ دہانی پر سائل مذکور کی حق رسی کی. ایک سال بعد یہ مدرسہ نارمل اسکول میں داخل ہوا. اور تقریباً سو امیدواروں میں دوسرے نمبر پر پاس ہوا اور آئندہ سال اس نے سینئر ورنا کیولر ٹریننگ کا امتحان اعلےٰ نمبروں سے پاس کیا.

یو.پی کے ایک ٹرینڈ ٹیچر نے ۱۹۵۲ء میں ڈائرکٹر محکمہ تعلیم کو ٹیچری کی اسامی کی درخواست دی. مگر نہ داسے برخاست. میں نے خود مدرسہ مذکور کے لئے ڈائرکٹر محکمہ تعلیم سے ملاقات کی انہوں نے فرمایا کہ محکمہ میں ٹیچری کے امیدواروں کی فہرست میں تقریباً سو نام ہیں. اس لئے امیدوار کا نام سب سے نیچے درج کیا جائے گا. میں نے پوچھا کہ کیا وہ سو امیدوار سب کے سب ٹرینڈ ہیں؟ انہوں نے تسلیم کیا. کہ بیشتر اَن ٹرینڈ ہیں. میں نے دریافت کیا. کہ کیا ان اَن ٹرینڈ امیدواروں پر اس ٹرینڈ سائل کو ترجیح نہ دی جائے گی. فرمایا. کہ فہرست مذکور پر چیف کمشنر کی تصدیق ہو چکی ہے. اس لئے اس میں رد و بدل نہیں ہو سکتا. میں نے پوچھا کہ کیا آپ چیف کمشنر کو اس بے قاعدگی پر توجہ دلا کر نئے امیدوار کی حق رسی نہیں کر سکتے. افسر مذکور میں بہ جبیں ہوئے اور فرمایا کہ میں خود مہاجر ہوں اور مجھے مہاجروں سے ہمدردی ہے. مگر میں اس امیدوار کے لئے کچھ نہیں کر سکتا. یہ مہاجر افسر اب مرکزی حکومت کے ایک عہدہ پر فائز ہیں. اور تقسیم سے پہلے بھی گورنمنٹ آف انڈیا کے ملازم تھے. صوبہ بمبئی سے تعلق رکھتے ہیں. گرفٹ پاتھ پر راتیں بسر کرنے والے مہاجر نہیں. بلوچستان کے چند سالہ دوران قیام میں انہیں ایک سرکاری بنگلہ یہاں صرف اپنی ذات کے لئے ملا ہوا تھا. اور ایک بنگلہ کراچی میں ان کے مختصر اہل و عیال کو. حالانکہ اس قسم کی دوہری الاٹمنٹ سرکاری قوانین کے خلاف ہے[1]

ع[1] حکومت پاکستان کے ۵۴۹ اعلیٰ افسران جنہوں نے اپنے مکانات بنانے کے لئے حکومت سے قرض لیا شاندار کوٹھیاں بنا کر انہیں کرایہ پر چلا رہے ہیں. اور خود کم کرایہ والے سرکاری کوارٹروں میں مقیم ہیں ان اعلیٰ افسران میں ایک جوائنٹ سیکرٹری ۵ ڈپٹی سیکرٹری اور ۷ ایسے افسران بھی شامل ہیں جن کی ماہانہ تنخواہ تین سو سے لے کر ۱۴۳۵ روپیہ تک ہے. یہ لوگ علی الاعلان حکومت سے تحریری وعدہ کرنے کے بعد فریب دہی کے مجرم پائے گئے ہیں. ان افسران سے سرکاری کوارٹر واپس لے لئے گئے ہیں. (جنگ - ۲ دسمبر ۱۹۵۹ء)

بہر حال یہ بھی مہاجر کی ایک نوع ہے۔

خیر یہ تو چند سال پہلے کے واقعات ہیں۔ محکمۂ تعلیم میں اس وقت بھی مہاجروں کے ساتھ کوئی خصوصی سلوک نہیں کیا جاتا۔ اعلےٰ تعلیمی حلقوں میں تو مہاجروں کا عنصر کافی ہے کیونکہ اعلےٰ فنی تعلیم کی اسناد رکھنے والے نہ تو ملکی حلقوں سے دستیاب ہو سکتے ہیں اور نہ پنجاب اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد ایسے امیدوار حسب ضرورت بلوچستان کو مہیا کر سکتا ہے۔ لیکن مڈل اور پرائمری ٹیچروں کی اسامیوں کے لئے چونکہ محکمۂ تعلیم کے متعلقہ افسر اپنے جاننے والوں میں سے بہتیرے امیدوار فراہم کر سکتے ہیں۔ اس لئے غیر سفارشی مہاجروں کے لئے زیادہ گنجائش نہیں۔

ہندوؤں کی متروکہ زرعی جائداد بلوچستان میں موجود ہے۔ کوئٹہ اور اس کے مضافات، سرآب اور شیخ مانڈہ وغیرہ میں بھی ایسے زرعی قطعات ہیں۔ مگر ان قطعات کو مقامی حکومت نے اب تک نہ معلوم کس مصلحت کی بنا پر متروکہ جائداد کی فہرستوں میں شامل ہی نہیں کیا۔ البتہ تحصیل اوستہ محمد اور "جھٹ پٹ" میں کوئی زرعی بعض مہاجروں کو کچھ زمینیں الاٹ ہوئی ہیں۔ ان علاقوں میں اب بھی متروکہ زمینیں باقی ہیں۔ اور اب سے چند سال قبل بیکانیر کے کچھ مہاجر کاشتکاروں نے ان کے لئے درخواستیں بھی دی تھیں۔ چونکہ ان کے کوائف تصدیق طلب تھے۔ اور اس تصدیق میں کافی وقت لگ گیا۔ اس لئے یہ لوگ مایوس ہو کر چلے گئے۔

شہر کوئٹہ میں جائیداد غیر منقولہ بیشتر ہندوؤں ہی کی ملکیت تھی۔ لیکن اس کا معقول حصہ مہاجرین کو نہیں ملا بہت سے مکانات ملکیوں کو الاٹ ہوئے۔ اور میں اسے ناجائز بھی تصور نہیں کرتا کیونکہ ہندوؤں کے نکلنے کے بعد بہت سے مقامی باشندے مضافات سے یا ہندوستان سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ اور انھوں نے ہندوؤں کے تجارتی کاروبار سنبھالے اور انہیں جگہ ملنی چاہیئے تھی مگر غضب تو یہ ہے۔ کہ بسا اوقات مہاجرین پر ایرانیوں، ملکیوں اور مغربی پنجاب کے باشندوں کو ترجیح دی گئی۔ اور دی جا رہی ہے۔ اور اس تقسیم میں تناسب کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اگر ایک ایرانی یا پنجابی کو چند ہزار گز کا ٹکڑا دے دیا گیا تو ایک مستحق مہاجر کو چند سو مربع فٹ زمین

کا قطعہ الاٹ کرنے میں بھی بخل سے کام لیا گیا۔

شارع لیاقت اور پرنس روڈ پر ایک بہت بڑا قطعہ زمین مناسب موقع پر دوکانوں کے لئے موزوں) عرصہ سے موجود تھا۔ جس پر کچھ مہاجر عارضی کاروبار بھی کرتے تھے۔ اس کا ۱/۲ حصہ ایک ایرانی۔ اور ایک مغربی پنجاب کے باشندے کو الاٹ کیا گیا۔ اور صرف ۱/۴ حصہ ۴۰ مقتدر مہاجروں میں تقسیم کیا گیا۔ مہاجروں کے نقلی لیڈروں نے چند دن تک مہاجرین کے حق میں نمائشی شور و غوغا کیا۔ لیکن ...... بہ لقمہ دوختہ بہ ــــ کے اصول پر عمل کر کے محکمہ برباد کاری نے ان کی زبانیں بند کر دیں۔

کوئٹہ میں مہاجروں کی آباد کاری کے لئے ابھی تک کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ کوئٹہ کے قریب مہاجر بستی آباد کرنے کی جس اسکیم کا ڈاکٹر صاحب نے ذکر کیا ہے۔ وہ کاغذات کی حدود سے آگے نہیں نکلی۔ اور نہ آئندہ اس کا امکان ہے ــ" ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا"۔

کوئٹہ کے محکمہ آباد کاری کو صحیح معنوں میں محکمۂ برباد **کاری** کہا جا سکتا ہے۔ یہ محکمہ چند قابل عزت مستثنیات کو چھوڑ کر ایسے اہل کاروں کو تفویض کیا جا رہا ہے جن کی دیانت مشتبہ ہے۔ اور جن میں سے متعدد افسر تو کھلم کھلا رشوت کی گرم بازاری میں ملوث رہے ہیں۔ غریب مہاجر تو کسی شمار و قطار میں نہیں۔ صاحب حیثیت مہاجر بھی محکمہ برباد کاری کی چکی سے بہ مشکل سلامتی کے ساتھ نکل سکے ہیں۔ اگر مفصل لکھنے کی گنجائش ہوتی۔ تو میں اس سلسلہ میں مثالیں بھی پیش کر سکتا تھا

بلوچستان کی ملازمتوں اور تعلیمی اداروں میں داخلہ کے حقوق زیادہ تر ملکی باشندوں کے لئے مخصوص ہیں۔ چند فیصدی (DOMICLE) ڈیرا نے آباد کاروں) کے لئے ــ پہلے پرانے آباد کاروں کو (DOMICLE CERTIFICATE) (سکونتی سرٹیفکیٹ) مل جایا کرتے تھے۔ ۱۹۵۲ء کے قانون بابت پاکستانی شہریت (PAKISTAN CITIZEN SHIP ACT) کے اجرا کے بعد یہ تصور کر لیا گیا۔ کہ اب ہر ایک پرانا مہاجر پاکستان کا شہری ہے۔ اس لئے سکونتی سرٹیفکیٹ (DOMICILE CERTIFICATE) کا اجرا بند کر دیا گیا ہے۔ لیکن عملی طور پر پرانا امتیاز اب

بھی باقی ہے۔ چنانچہ کوئٹہ میڈیکل اسکول کے ۱۰۹ طلبا میں سے صرف ۲ مہاجر ہیں۔ اور وظیفہ ان میں سے کسی کو نہیں ملتا۔ وہ تو صرف قبائلی طلبا کے لئے مخصوص ہیں۔ حال ہی میں (ANIMAL HUSBANDRY COLLEGE کالج بابت علم الحیوانات) لاہور میں داخلے کے لئے ۸۰ ۔ ۸۰ روپیہ کے ۵ وظائف قبائلی اور پرانے آباد کار طلبا کے منظور کئے گئے ہیں۔ ان پرانے آباد کار طلبا میں انتخاب کرنے والے افسروں کی صوابدید پر یہ منحصر ہے کہ کسی مہاجر۔ (نئے قانون بابت پاکستانی شہریت)۔ کا بھی شمار کرلیں۔ لیکن اس کا کوئی امکان نہیں ۔ کچھ عرصہ پہلے فنی اور اعلےٰ تعلیم کے لئے کچھ وظیفے مہاجروں کے لئے مخصوص تھے۔ میں ایسی مثالیں پیش کرسکتا ہوں۔ کہ خالص غیر مہاجروں کو یہ وظائف دے دیئے گئے۔ ایسے چور وظیفہ خوار جنہیں حکومت بلوچستان مہاجروں کے نام سے وظائف دے رہی ہے اب بھی موجود ہیں۔

مجھے نہایت افسوس سے۔ اس امر کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ کہ مرکز کے متعدد وزرائے مہاجرین نے اب تک کوئی خدمت یا شنوائی مہاجرین کی نہیں کی۔ جو وزرا۔ آباد کاری کے محکمہ کے افسروں کی مہمانیاں قبول کرلیتے ہوں وہ کس طرح مہاجروں کی حق رسی کر سکتے ہیں۔

بلوچستان میں تبادلۂ جائداد میں صرف دو مہاجر کامیاب ہو سکے ہیں۔ ہندوستان کے محکمۂ آباد کاری نے ہندو شرن آرتھیوں کی تبادلہ جائداد کے سلسلہ میں ہر طرح امداد کی ہے اس کے برعکس پاکستان کے محکمہ آباد کاری کے افسروں نے قدم قدم پر مہاجروں کے راستہ میں کانٹے ڈالے ہیں۔ مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہے۔

مرکزی وزارت میں مہاجروں کی نمائندگی کا امکان لیاقت علی خان مرحوم کی شہادت کے بعد بالکل باقی نہیں رہا۔ جہاں اکثریت کا سوال ہو۔ وہاں بنگالی اور پنجابی کے سوا۔ تیسرے کی نمائندگی مشکل ہے۔ صوبہ سرحد اپنی قوت کے بل پر ہمیشہ حصہ رسدی سے زیادہ پائے گا۔ مہاجر کا تو کوئی ذکر نہیں۔ بلوچستان بھی اپنی پس ماندگی کے باعث شاید ہی کبھی صحیح نمائندگی حاصل کر سکے۔ اگر لیاقت، دیانت۔ ایمانداری۔ قربانی اور قوم کی بے لوث خدمت ہی

وزارت کے انتخاب کا صحیح معیار ہوتا۔ تو اب سے بہت پہلے میر لائق علی کو کابینہ میں شامل کیا جانا چاہیئے تھا۔ لیکن اب تو قائد اعظم مرحوم کے رفقا بھی دودھ کی مکھی کی طرح یہاں مہاجروں کو کون پوچھتا ہے۔ــــ "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

پاکستان کے ہر صوبہ میں سالانہ بجٹ پیش کرتے وقت متعلقہ صوبہ میں مہاجروں اور ان کی آبادکاری کا ذکر ہوتا ہے۔ اور متعلقہ وزارت اپنی کارگزاری کا ذکر کرتی ہے۔ لیکن بلوچستان کا حاکم اعلےٰ جو سالانہ دربار کے موقع پر اپنی سالانہ رپورٹ پیش کرتا ہے۔ اس میں مہاجر کا ذکر نہیں۔ صرف قبائلیوں کا ذکر ہے۔ قبائلی ہمارے بھائی ہیں۔ اور میں ان کی ترقی و بہبودی کے ذرائع اختیار کرنے کو حکومت اور ہر پاکستانی کا فرض اولین سمجھتا ہوں۔ کیونکہ یہ پسماندہ لوگ ہیں اور ان کی ترقی قوم کی ترقی ہے۔ مگر یہ لوگ ایک صدی سے مصنوعی غذا رسانی کے عادی ہیں۔ اور متعلقہ حکومتوں کی کوشش کے باوجود اب تک ان کی قومی نشوونما میں بلوغت کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔ افسوس صرف یہ ہے۔ کہ مہاجر ان کی بہ نسبت ۱/۴ حصہ توجہ کے مستحق بھی قرار نہیں دیئے جا رہے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا۔ کہ قبائلیوں کے ساتھ ساتھ مہاجروں کے ساتھ بھی فیاضانہ سلوک کیا جاتا۔ ان کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک کس قدر یاس انگیز اور حسرت ناک ہے حال ہی میں قبائلی طلبا کے لیئے فنی اور اعلےٰ تعلیم کے لیئے ۵۵ وظائف منظور کیئے گئے ہیں۔ــــ "اے ابر کرم۔ بحر سخا۔ کچھ تو۔ ادھر بھی"۔

بلوچستان میں قبائلی علاقے میں کوئی مہاجر آباد نہیں ہوا۔ کوئٹہ اور سبی کے علاوہ۔ لورالائی اور فورٹ سنڈیمن میں گنتی کے کچھ آدمی آباد ہوئے ہیں۔ ریاست قلات میں تقسیم کے وقت ہندوؤں کی پوری حفاظت کی گئی۔ اس لئے بہت کم ہندوؤں نے ترک وطن کیا۔ اور اب تک تجارت اور ٹھیکوں میں نہ صرف ان کی سیادت قائم ہے۔ بلکہ ٹیکسی لاریوں کے ٹھیکہ کا کام۔ جو پہلے مسلمان اچھی طرح انجام دے رہے تھے۔ اب ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے ریاست قلات میں مہاجروں کی آبادکاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دنیا کے کسی ملک میں بھی ایک ہی قوم مستقل طور پر آباد نہیں رہی اور نہ رہ سکتی ہے۔

اس لئے ملکی اور غیر ملکی کا سوال غیر فطری ہے۔ ہندوستان، بلوچستان اور سرحد کے موجودہ باشندے آرین نسل سے ہیں۔ بلوچستان میں صرف براہوی قوم قدیم باشندوں کی یادگار ہے۔ یہ لوگ دراوڑی نسل کی نشانی ہے۔ بلوچستان میں اب سے نصف صدی یا زیادہ پہلے کے آباد شدہ غیر ملکی آہستہ آہستہ ملکیوں کا تمدن اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ اور ان کی اولاد در اولاد دو صدیوں تک بلوچستان کا تمدن اختیار کرے گی۔ اور کم خصوصیات اجداد کی باقی رہ جائیں گی۔ صوبہ بہار میں اب تک سہسرام اور بعض دوسرے مقامات میں سکھوں کی مختصر آبادیاں ہیں۔ یہ لوگ عرصہ پہلے پنجاب سے وہاں جا کر آباد ہوئے۔ لیکن ان لوگوں میں بجز لمبی داڑھیوں اور بالوں کے کوئی اور خصوصیت سکھوں کی۔ خشونت۔ تجنت۔ پنجابی زبان یا دوسری خصوصیات باقی نہیں رہیں جس طرح کہ افغانستان کے ان پٹھانوں میں جو صدیوں سے ہندوستان کے مختلف حصص میں آباد ہیں یہی حال مہاجروں کا ہوگا۔ جو پاکستان کے مختلف حصص میں آباد ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کے خلاف پرانے باشندوں کا تعصب بے معنی ہے اور ملکی غیر ملکی کا ہنگامہ محض وقتی ہے۔ فروری ۱۹۵۵ء کے زلزلے میں کوئٹہ کے بہت سے غیر ملکی باشندے دہشت زدہ ہو کر یہاں سے عارضی طور پر بھاگ گئے تھے۔ چونکہ کوئٹہ کی تجارت، بہبودی ترقی اور رونق کا دار و مدار بیرونی آبادی پر ہے اس لئے کوئٹہ سنسان نظر آنے لگا۔ اور کاروبار سست ہو گیا۔ اور یہاں کے مقامی ملکی تجارت پیشہ اصحاب کو بہت جلد ان کی جدائی کا صدمہ محسوس ہونے لگا۔ انگلینڈ کا شاہی خاندان جو جرمنی نسل سے ہے اب جرمنی زبان بھی بھول چکا ہے۔ اور اب انہیں کوئی جرمن نہیں سمجھتا کاش کہ قدیم باشندے اور نو وارد یہ سمجھنے لگیں کہ ہمارا وجود ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہے۔ تباہ کن نہیں بلکہ جانبین کے لئے نفع بخش ہے اگر آج پاکستان میں ہمارے تعلیمی اور فنی ادارے کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ باہم تجارت، صنعت و حرفت اور کاروبار پر مسلمانوں کا قبضہ دیکھ رہے ہیں تو اس میں مہاجرین کا بہت بڑا ہاتھ ہے پاکستان کی تعمیر میں چاہے وہ مغربی پاکستان کے ہوں یا مشرقی پاکستان کے۔ یہاں کے پرانے زعمائے

قابل عزت، مستثنیات کے سوا کوئی قابل فخر حصہ نہیں لیا۔ خضر حیات، سکندر حیات،
خان برادران، عبدالصمد خان۔ جی۔ ایم سید۔ فضل الحق، بھاشانی یا سہروردی صاحبان کے کارناموں
سے کون واقف نہیں۔ افسوس ہے۔ کہ پاکستان کے حقیقی معمار اب قوم کی نگاہوں سے
اوجھل ہو رہے ہیں۔ اور مہاجروں سے وہ سلوک نہیں کیا جا رہا ہے۔ جس کے وہ مستحق ہیں
بہرحال ہم قوم سے اور مہاجروں سے بہترین توقعات وابستہ کئے ہوئے ہیں۔

پاکستان زندہ باد

(ڈاکٹر محمد ایوب کیپٹن)

پرنس روڈ کوئٹہ

۲۴ دسمبر ۱۹۵۴ء

جولائی ۱۹۵۶ء

اس کتاب کا مسودہ اب سے تقریباً ۲ سال قبل مرحوم اپنے مقدس ہاتھوں سے مکمل کر چکے تھے. مگر بوجوہ طباعت کا انتظام نہ کر سکے تھے.
آخر وہی ہوا جس کا میں نے اندیشہ ظاہر کیا تھا ... وقت گزر رہا ہے اسی طرح زندگیاں بھی ختم ہو جائیں گی. لیکن یہ قابل عزت ہستیاں حسرت و یاس کا جذبہ لئے ہوئے اپنی قبروں میں چلی جائیں گی ...‘‘
۳۰ دسمبر ۱۹۵۶ء کی شب کو ۹ بجے. ڈاکٹر صاحب پر درد دل کا دورہ پڑا اور ۷۱ سال کی عمر میں حرکت قلب بند ہونے سے داخل خلد بریں ہوئے اور شہیدان پاکستان میں شامل ہوئے انا للہ و انا الیہ راجعون ۔
بریلی اور روہیل کھنڈ کا یہ آفتاب. لاڑکانہ میں غروب ہوا اب ان کی رحلت کے بعد یہ کتاب طباعت اور اشاعت کے مراحل طے کر کے قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے. امید ہے کہ پڑھنے والے مرحوم کی محنت، عرق ریزی اور حسن تحریر و تالیف کی داد دے کر. ان کی روح کو ثواب پہنچائیں گے

پاکستان جغرافیائی حیثیت سے دو حصوں پر مشتمل ہے۔ (۱) مغربی پاکستان (۲) مشرقی پاکستان ۔ پاکستان کے دونوں حصوں کے درمیان تقریباً ۱۰۰۰ میل کا فاصلہ حائل ہے. بھارت. مغربی پاکستان کو مشرقی پاکستان سے جدا کئے ہوئے ہے

کل پاکستان کا رقبہ ـــ ۳۶۴،۲۱۸ مربع میل ہے.

مغربی پاکستان میں پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد، بلوچستان، بلوچستان کی ریاستیں ریاست بھاولپور. شمالی مغربی سرحد کی ریاستیں. قبائلی علاقے. ریاست خیرپور. ریاست جوناگڑھ شامل ہیں. آزاد کشمیر کا رقبہ ۴۵،۰۰۰ مربع میل ہے.

ریاست جوناگڑھ پر بھارت نے ۸، نومبر ۱۹۴۷ء کو زبردستی قبضہ کر لیا تھا. حالانکہ یہ ریاست پاکستان میں شامل ہو گئی تھی. اس ریاست کے فرمانروا نواب صاحب کراچی میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں.

مشرقی پاکستان میں صوبہ مشرقی بنگال اور ضلع سلہٹ شامل ہیں.

۱۹۵۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ سے مختلف علاقوں کے اعداد و شمار درج کئے جا رہے ہیں،

پاکستان ـــ مجموعی آبادی ـــ سات کروڑ. چھپن (۵۶) لاکھ چھتیس ہزار

مسلمان ـــ چھ کروڑ. انچاس (۴۹) لاکھ، پچاس (۵۰) ہزار

ہندو (علی ذات) ـــ تینتالیس (۴۳) لاکھ، انچاس ہزار

اچھوت. (اقوام مندرجہ فہرست) ـــ تریسٹھ لاکھ. اٹھائیس (۲۸) ہزار

مشرقی پاکستان ـــ مجموعی آبادی ـــ چار کروڑ۔ انیس[۱۹] لاکھ۔ بتیس[۳۲] ہزار

مسلمان ـــ تین کروڑ ـ بائیس[۲۲] لاکھ۔ چھبیس[۲۶] ہزار

ہندو ـــ (اعلیٰ ذات) ـ اکتالیس[۴۱] لاکھ ـ ستاسی[۸۷] ہزار

اچھوت (اقوام مندرجہ فہرست) ـ پچاس لاکھ ۔ باون[۵۲] ہزار

مغربی پاکستان ـــ مجموعی آبادی ـ تین کروڑ سینتیس[۳۷] لاکھ، بہتر[۷۲] ہزار

مسلمان۔ تین کروڑ ـ ستائیس[۲۷] لاکھ بہتر ہزار۔(کشمیر جوناگڑھ اور یاغستان کو چھوڑ کر

ہندو اور دیگر اقوام ـــ دس لاکھ۔ دو[۲] ہزار

مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی تعداد مغربی پاکستان کے مسلمانوں سے کم ہے۔

مغربی پاکستان کا رقبہ ۳۱۰،۲۹۸ مربع میل ہے۔ اور مشرقی پاکستان کا رقبہ ۵۳،۹۲۰ مربع میل ہے۔

مشرقی پاکستان رقبہ کے لحاظ سے مغربی پاکستان سے چھوٹا ہے۔ مغربی پنجاب کا رقبہ ۶۲،۰۱۲ مربع میل ہے۔ مشرقی بنگال کا رقبہ پنجاب سے کم ہے۔ لیکن آبادی کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔

مشرقی پاکستان میں بہ لحاظ آبادی ایک مربع میل میں ۸۰۰ نفوس آباد ہیں۔ اور مغربی پاکستان میں بہ لحاظ آبادی ایک مربع میل میں ۱۰۹ نفوس آباد ہیں۔

تمام پاکستان میں بہ لحاظ آبادی کراچی سب سے بڑا شہر ہے۔

کراچی کی آبادی ۱۹۴۱ء میں ۳،۵۰،۰۰۰

کراچی کی آبادی ۱۹۵۱ء میں ۱۱،۲۶،۰۰۰

کراچی میں مہاجروں کی آبادی دسمبر ۱۹۵۲ء تک ۔ ۶ لاکھ ۵۹ ہزار، سات سو۔ ۱۳ مارچ ۱۹۵۲ء۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اس وقت کراچی کی آبادی ۱۷ لاکھ سے زیادہ ہے۔

صوبوں کے لحاظ سے مہاجرین کی سب سے زیادہ تعداد پنجاب میں ہے۔ صوبہ پنجاب کی تمام آبادی کے تناسب سے مہاجرین کا تناسب ۲۶ فیصدی ہے اور آبادی ۴۸۸۲۰۰۰ (۴۸ لاکھ بیاسی ہزار)

شہروں کے لحاظ سے مہاجروں کی سب سے بڑی تعداد کراچی میں ہے۔ یعنی شہر کی آبادی کا ۴۸ فیصدی، کراچی میں مہاجرین کی آبادی پانچ لاکھ ۴۳ ہزار ہے (۵۴۳۰۰۰)

کراچی میونسپل کارپوریشن کی فہرست میں ۴ لاکھ۔ ۲۷ ہزار۔ ۳ سو ننانوے ۳۹۹ ووٹروں کے نام درج ہیں۔ مقامی اور مہاجر کا تناسب ۵۲ اور ۴۸ بتلایا گیا ہے۔ مسٹر سہروردی بانی جناح عوامی لیگ نے اس کی تردید کی ہے اور بتلایا ہے۔ کہ مقامی اور مہاجر کا تناسب ۱۰۔ ۹۰ فیصدی ہے

(امروز۔ کراچی ۔ ۷ مارچ ۱۹۵۳ء)

تمام پاکستان میں صوبہ سرحد کا آزاد علاقہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں کوئی مہاجر آباد نہیں ہے

مہاجرین کی تعداد اور تناسب آبادی ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے:-

مشرقی پاکستان ۔ سات لاکھ۔ دس ہزار (۷۱۰۰۰۰)، یعنی ۱۶ فیصدی

سندھ ۔ پانچ لاکھ۔ ۶۵ ہزار (۵۶۵۰۰۰) یعنی ۱۲٫۲ فیصدی

صوبہ سرحد ۔ اکیاون ہزار ۔ یعنی ۱٫۶ فیصدی

بلوچستان ۔ ۲۹ ہزار ۔ یعنی ۳٫۴ فیصدی

ریاست بہاولپور ۔ تین لاکھ۔ ۱۰ ہزار (۳۱۰۰۰۰)

ریاست خیرپور ۔ گیارہ ہزار ۔ یعنی ۳٫۴ فیصدی

بلوچستان کی ریاستیں ۔ ایک ہزار ۔ یعنی ۲ فیصدی

مارچ ۱۹۵۳ء پاکستان پارلیمنٹ میں وزیر مالیات جناب محمد علی نے فرمایا۔ مغربی

پاکستان میں مہاجرین کی تعداد ۶۰ لاکھ ۶۰ ہزار ہے. لیکن اس کے بالمقابل ۵۵ لاکھ ۹۰ ہزار غیر مسلم مغربی پاکستان سے بھارت چلے گئے. علاوہ ازیں مسلمان مہاجرین کا داخلہ مغربی پاکستان میں جاری ہے. مزید براں ۵ لاکھ کشمیری مہاجر آباد ہیں

پاکستان بہ لحاظ آبادی دنیا کی تمام سلطنتوں میں پانچویں نمبر پر ہے

(۱) چین کی آبادی تقریباً ۴۰ کروڑ ہے
(۲) بھارت کی آبادی تقریباً ۳۵ کروڑ ہے
(۳) سویٹ روس کی آبادی تقریباً ۱۹ کروڑ ہے.
(۴) ریاستہائے متحدہ امریکہ کی آبادی تقریباً ۱۵ کروڑ ہے
(۵) پاکستان کی آبادی تقریباً ۸ کروڑ ہے.

دنیا کی تمام مسلم سلطنتوں میں بہ لحاظ آبادی پاکستان کا نمبر اوّل ہے

(۱) پاکستان کی آبادی — سات کروڑ چھپن لاکھ چھتیس ہزار
(۲) انڈونیشیا — تقریباً سات کروڑ
(۳) ترکی — تقریباً دو کروڑ
(۴) مصر — تقریباً ایک کروڑ. نوّے لاکھ
(۵) ایران — تقریباً ایک کروڑ. اسی لاکھ
(۶) افغانستان..... تقریباً ایک کروڑ. بیس لاکھ
(۷) سعودی عرب ....تقریباً ایک کروڑ

(۸) عراق.......... پچاس لاکھ

(۹) سیریا (شام)....... تیس لاکھ

(۱۰) شرق اردن...... دس لاکھ

پاکستان کے بڑے بڑے شہر اور ان کی آبادی

(۱۹۵۱ء کی مردم شماری)

کراچی	۱۱۲۶،۴۱۷
لاہور	۸۴۹،۳۳۳
ڈھاکہ	۲۷۳،۴۵۹
حیدرآباد	۲۴۱،۸۰۱
راولپنڈی	۲۳۶،۸۷۷
ملتان	۱۹۰،۱۲۲
لائل پور	۱۷۹،۱۲۷
سیالکوٹ	۱۵۶،۲۷۸
پشاور	۱۵۱،۴۳۵
چٹاگام	۱۴۳،۲۶۴
گجرانوالہ	۱۱۴،۱۹۳
باریسال	۸۹،۲۷۸
کوئٹہ	۸۳،۸۹۲
سکھر	۷۷،۰۲۶

مفید معلومات

(۱) پاکستان میں ۳ لاکھ نوے ہزار اشخاص اندھے ہیں۔

(۲) پاکستان میں ۳۰ لاکھ عوام تپ دق میں مبتلا ہیں۔

(۳) پاکستان میں پیدائش اور موت دونوں کی رفتار بڑی تیز ہے

(۴) پاکستان میں ۴۰ فیصدی آبادی ۱۵ سال سے کم عمر لڑکوں پر مشتمل ہے اور اوسط عمر صرف ۳۴ سال ہے

(۵) پاکستان تعلیمی مشاورتی بورڈ کے اجلاس میں وزیر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے فرمایا۔ کہ پاکستان میں ۹ء۱۸ فیصدی پڑھے لکھے ہیں۔ یعنی ہمیں ۸۱ فیصدی سے کچھ زیادہ اشخاص کو پڑھنا لکھنا سکھانا ہے۔ پاکستان میں معیار زندگی پست ہے۔ اور آمدنی ناکافی ہے۔

(خطبہ۔ ۱۳/مارچ ۱۹۵۴ء۔ پشاور)

(۶) پاکستان میں ۸۰ لاکھ سے زیادہ تعداد میں غریب بچے گلیوں میں مارے مارے پھرتے ہیں افلاس کی وجہ سے حصول تعلیم مشکل ہے

فقدانِ علم۔ ہم میں۔ افلاس کا سبب ہے
بے زر نہیں وسیلہ۔ تحصیلِ علم و فن کا (بسمل)

۷ پاکستان میں ہر ایک ہزار آدمیوں میں سے صرف دو یا تین اخبار خریدتے ہیں اور ہندوستان ایک ہزار آدمیوں کے حصہ میں ۸ اخبار آتے ہیں۔ (اتحادی انجمن کے حاصل کردہ اعداد و شمار)

خدا کا شکر ہے کہ پاکستان میں اب صرف دو صوبے ہیں۔

(۱) مغربی پاکستان۔ مغربی پاکستان کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو ملا کر ایک وحدت (یونٹ) بنا دیا ہے۔ جس کا نام ہے وحدت (صوبہ) مغربی پاکستان

(۲) مشرقی پاکستان

طرز حکومت وفاقی ہے۔

تمام پاکستان کا نام۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ صدر مملکت ہمیشہ مسلمان ہوگا۔

عربوں نے آٹھویں صدی عیسوی کے شروع میں سندھ فتح کیا. پاکستان میں سب سے پہلے سرزمین سندھ ہی کو آغوش اسلام میں آنے کا فخر حاصل ہے عربوں نے تقریباً تین سو برس تک سندھ میں حکومت کی. یہ "باب الاسلام" کہلاتا ہے.

پاکستان میں شامل ہونے کے لئے سب سے پہلے اپنی رضامندی اسی صوبے نے ظاہر کی کراچی ۔ جو کہ سندھ کا صدر مقام تھا۔ پاکستان کا دارالحکومت بنایا گیا. صوبہ سندھ نے تمام پاکستانی صوبوں سے ۔ اس لحاظ سے زیادہ قربانی کی ہے. کہ کراچی اس صوبہ سے علیحدہ کر دیا گیا ہے.

بانیٔ پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناح اسی صوبے سے تعلق رکھتے ہیں. اسی کراچی میں پیدا ہوئے اور اسی جگہ سپرد خاک کر دیئے گئے.

سندھ نے ہمیشہ پناہ مانگنے والوں کو پناہ دی ہے ہمایوں ہندوستان سے بھاگ کر بھکر آیا. اور امرکوٹ میں پناہ لی. اکبر امرکوٹ ہی میں پیدا ہوا تھا. شاہجہان نے اپنی شہزادگی کے زمانہ میں باپ سے ناراض ہو کر ٹھٹھ میں پناہ لی. تقسیم ہند کے بعد سے ۱۹۵۳ء تک سات لاکھ مسلمان مہاجر سندھ میں آکر آباد ہوئے. صوبہ سندھ کا رقبہ تقریباً ۴۸ ہزار مربع میل ہے. یہ پاکستان کے کل رقبہ کا تیرہ فیصدی ہے تازہ ترین مردم شماری کے مطابق سندھ کی آبادی ۴۷ لاکھ ۔ ۹۱ ہزار ہے یہ پاکستان کی آبادی کا سات فیصدی ہے آبادی کے لحاظ سے سندھ میں ہر مربع میل پر ۔ ۹۱ . افراد آباد ہیں. ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق سندھ میں معیار تعلیم ۱۰۳ یعنی تمام پاکستان میں سب سے کم ۱۹۰۷ء میں بمقام کراچی مولانا حالی نے کل ہند مسلم تعلیمی کانفرنس کے خطبہ صدارت

؏۱ تاریخ اسلامی سندھ از پروفیسر محمود بریلوی۔

میں فرمایا[۱] تھا۔ کہ :-

" مجھ سے میرے ایک دوست نے بیان کیا۔ کہ سندھ میں ایک موقع پر تین مسلمان نوجوان سے ملے۔ میں نے جو اُن کی حد سے زیادہ ناواقفیت دیکھی تو امتحاناً یہ سوال کیا۔ کہ تم یہ بھی جانتے ہو۔ کہ تمہارا نبی کون ہے ؟ ایک نے کہا۔ کہ امام حسینؓ۔ دوسرے نے کہا فیض محمد خان امیر خیرپور۔ اور تیسرے نے کہا " پیر پگاڑو "

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت سندھ میں مذہبی تعلیم تک کا کیا حال تھا۔

وہ مہاجر جنہوں نے پاکستان کو اپنے خون جگر سے تعمیر کیا ہے۔ سندھ کے مقامی باشندے انہیں پناہ گیرے ـــ کے نام سے پکارتے ہیں۔ سندھ اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے ایک معزز سندھی ممبر نے مہاجرین کو متعدد بار " پناہ گیرے " کے نام سے یاد کیا۔ ہر مرتبہ انہیں ٹوکا گیا۔ اور ہر مرتبہ۔ لفظ پناہ گیرا ـــ استعمال کیا۔ آخر بار ٹوکنے پر انہوں نے کہا۔ کہ یہ لفظ میری زبان پر چڑھ گیا ہے۔ وزیر اعلےٰ سندھ پیرزادہ عبدالستار نے مہاجرین کو " نئے سندھی " اور انصار کو " پرانے سندھی " کا خطاب دیا ہے۔

سندھ میں تقسیم سے قبل ہندوؤں اور سکھوں کی آبادی ۱۳ لاکھ ۔ ۷ ، ہزار تھی ۱۹۴۸ - ۴۹ء میں سندھ سے تقریباً ۱۱ لاکھ ۔ ۲ ، ہزار غیر مسلم بھارت گئے۔ تازہ ترین اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو تارکانِ وطن کی تعداد بارہ لاکھ ہے۔ مگر اب سندھ میں دو لاکھ کے قریب ہندو باقی رہ گئے ہیں

(۱) سندھ میں کسانوں کی مجموعی تعداد ۳۳ لاکھ ہے۔ جس میں سے ۲۵ لاکھ ہاریوں کے پاس ایک انچ قطعۂ زمین نہیں ہے۔ یعنی وہ اجرت پر کام کرتے ہیں۔

(۲) سندھ میں ۴۷ بڑے جاگیردار ہیں۔ اور ۲۹۴ بڑے زمیندار ہیں جن میں سے ہر ایک کے پاس پانچ ہزار ایکڑ زمین سے کم نہیں ہے۔

سندھ میں مہاجر دو راستوں سے داخل ہوئے ـــ (۱) کھوکھرا پار کے راستے سے آئے۔ ان میں ۸۰ فیصدی یو پی کے رہنے والے ہیں۔ یہ تباہ حال اور خانماں برباد تھے

---

[۱] العلم کراچی۔

بے کسی کی حالت میں یہاں آئے ہیں۔ نہ تو ہندوستان میں کسی نے انہیں الوداع کہا۔ اور نہ پاکستان میں کسی نے ان کا خیر مقدم کیا۔ ــــ (۲) مغربی پنجاب سے سندھ میں داخل ہوئے یہ مشرقی پنجاب کے رہنے والے ہیں۔ جو کہ مغربی پنجاب کے کیمپوں، لاہور، منٹگمری، ملتان اور دوسرے شہروں سے لائے گئے۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو پہلی ٹرین لاہور سے سندھ روانہ ہوئی۔ آخری ٹرین ۲۵ / اکتوبر ۱۹۴۸ء کو تقریباً تین ہزار مہاجرین کو لے کر سندھ میں داخل ہوئی۔ والٹن اسٹیشن لاہور پر خواجہ شہاب الدین وزیر مہاجرین۔ خان افتخار حسین آف ممدوٹ وزیر اعظم پنجاب اور حکومت کے اعلٰے اراکین الوداع کہنے کے لیے اسٹیشن پر موجود تھے پولیس کے بینڈ باجہ نے رخصت کا نغمہ چھیڑا انجن نے سیٹی دی۔ اور آخری اسپیشل ٹرین روانہ ہوگئی۔ اس طرح سے مغربی پنجاب سے تقریباً سوا دو لاکھ مہاجرین سندھ میں آکر آباد ہو گئے۔

ستمبر ۱۹۴۸ء تک سندھ میں ۷ لاکھ ۷ ہزار ۸۲۰ مہاجر سندھ میں آئے ان میں تین چوتھائی یعنی پونے پانچ لاکھ کراچی چلے گئے۔

۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق سندھ میں مہاجرین کی آبادی پانچ لاکھ ۵۷ ہزار یعنی ۱۲،۲ فیصدی ہے۔ مہاجرین سندھ میں عام طور پر یہ خیال پھیلا ہوا ہے۔ کہ سندھ میں مہاجرین کی آبادی بیس لاکھ ہے مردم شماری میں تنگ خیال مقامی عناصر نے مہاجرین کی تعداد ارادتاً گھٹا کر دکھائی ہے بعض کا خیال ہے۔ کہ سندھ کی آبادی اس وقت ستر لاکھ ہے۔ روزنامہ انجام کراچی نے۔ تباہ حال مہاجر" کے زیرعنوان ایک ایڈیٹوریل پیپر قلم کیا ہے۔ جس کے چند جملے یہ ہیں۔

یہ ایک حقیقت[۳] ہے کہ سندھ میں مہاجرین کی آبادی تقریباً بیس لاکھ سے کسی طرح کم نہیں

---

[۱] مہاجرین کا مسئلہ از آغا محمد اشرف ص۲ - ۹ / فروری ۱۹۵۴ء نواب گنج کے ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے عبدالقیوم کانپوری نے فرمایا۔ کہ میں سندھی ہوں اور ہمارے سندھ کی آبادی ستر لاکھ ہے (انجام کراچی ۱۱ / فروری ۱۹۵۴ء) [۳] انجام یکم جون ۱۹۵۳ء

سندھ اسمبلی کے انتخاب ہوئے۔ اور ان میں مہاجر رائے دہندگان کو صوبائی عصبیت کی بھینٹ چڑھا کر انتخاب کی فہرستوں میں ان کے نام کا اندراج نہیں کیا گیا"

"صوبہ سندھ میں اب تک چھ لاکھ مہاجرین آباد کئے جاچکے ہیں۔ ان میں سے ۲ لاکھ ۵۵ ہزار مہاجرین ——— ۵۵۰۰ ۷۰۵ ایکڑ زمین پر آباد کئے گئے ہیں۔ شہری علاقوں میں ۵۸۵ .. متروکہ رہائشی مکانات اور ۴۰۰۰ ۱ متروکہ دوکانیں مہاجرین کو دی گئی ہیں نیز بیشتر چھوٹے تجارتی ادارے بھی انہی کو دیئے گئے ہیں"

ہندو سندھ میں ۳۰ ہزار دوکانیں چھوڑ گئے تھے۔

سندھ کے آٹھ اضلاع میں ہندوؤں کی متروکہ دوکانوں کی مجموعی تعداد ۳۰۰۰۷۹ تھی ان میں سے ۲۲۸۰ دوکانیں مقامی باشندوں کے پاس ہیں۔ اور ۱۵۵۹۴ مہاجرین کے حصہ میں آئی ہیں۔ باقی دوکانیں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوگئیں۔ اور اس قابل نہیں ہیں۔ کہ انہیں استعمال میں لایا جاسکے۔

سب سے زیادہ دوکانیں حیدرآباد میں تھیں۔ اس کے بعد سکھر کا نمبر ہے۔ حیدرآباد میں ۸۰۵۴ دوکانوں میں سے تقریباً ۵ ہزار مہاجرین کے پاس ہیں اور تقریباً دوسو خراب حالت میں خالی پڑی ہیں۔ اور باقی مقامی باشندوں کے پاس ہیں ——— سکھر میں ۷۰۰۰ دوکانوں میں سے ۲۸۹۳ مقامی باشندوں کے پاس ہیں۔ اور ۳۴۳۰ مہاجروں کے پاس ہیں۔ اور تقریباً تین سو خستہ حالت میں خالی پڑی ہیں"

ہندو جو اراضی سندھ میں چھوڑ گئے تھے۔ اس کا کل رقبہ تقریباً ۱۷ لاکھ ۴۲ ہزار ایکڑ ہے۔ اس میں سے ۵ لاکھ ۷۷ ہزار ایکڑ اراضی پر مہاجروں کو بسایا گیا ہے۔ اور ۵ لاکھ ۴۴ ہزار ۵۴۳ ایکڑ اراضی سندھ کے ہاریوں کو دی گئی ہے۔ اب جو زمین باقی ہے وہ کاشت کے قابل نہیں۔ پناہ گزینوں کے آباد شدہ خاندانوں کی تعداد ۵ لاکھ کے قریب ہے۔ اور کاشت پر گزارہ کرنے والوں کی تعداد ۲ لاکھ ۴۵ ہزار ہے۔

؎ ڈان کراچی ۱۸ فروری ۱۹۵۲ء۔ انجام ۲۷ فروری ۱۹۵۲ء ؎ امروز کراچی ۱۲ مارچ ۱۹۵۲ء

متروکہ آراضی کے الاٹمنٹ پر روزنامہ ڈان کراچی نے بدین الفاظ تنقید کی ہے:-

"یہ بالکل غلط ہے[1]۔ کہ سندھ میں ۵۰ فیصدی سے زیادہ زرعی زمین مہاجروں کو الاٹ کر دی گئی ہے۔ بھارت میں جانے والے ہندوؤں نے ۱۶ لاکھ ۴۲ ہزار ایکڑ زرعی زمین سندھ میں چھوڑی ہے۔ جس میں سے ۴ لاکھ پچاس ہزار ایکڑ زمین مہاجرین کو الاٹ کی گئی ہے۔ اور ۹ لاکھ سات ہزار دو سو ایکڑ زمین مقامی ہاریوں کو دی گئی ہے۔ باقی ماندہ زرعی زمین کا بہت بڑا حصہ ناجائز طور پر سندھ کے زمینداروں نے اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے۔"

"مہاجرین کے لئے[2] حکومت سندھ نے کوئی تعمیری قدم نہیں اٹھایا ہے بلکہ بیان بازی کے پرانے طریقوں سے کام لیا جا رہا ہے ـــ حکومت سندھ نے مردم شماری میں پانچ لاکھ ۵۰ ہزار مہاجر تسلیم کئے ہیں۔ اور ان میں سے ایک لاکھ پچیس ہزار کو دیہات میں آباد کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن وزیر اعلیٰ اور قاضی اکبر وزیر مالیات کے بیان کے مطابق ۷۰ ہزار مہاجرین آباد کئے جا چکے ہیں۔ لیکن تارکان وطن کی تعداد بارہ لاکھ ہے۔ ان اعداد و شمار کے مطابق ابھی سوا چار لاکھ مہاجرین کے لئے شہر میں گنجائش ہے۔ لیکن حکومت کی بدانتظامی کی وجہ سے مہاجر بے گھر پڑے ہوئے ہیں۔"

مسٹر احمد جعفر نے سندھ کے مہاجروں کے مسائل پر اپنے خطبۂ استقبالیہ میں اس طرح روشنی ڈالی ہے:-

سندھ میں آج بھی دو تین سال سے زرعی زمین پر آباد مہاجرین کو زمینوں سے بیدخل کیا جا رہا ہے۔ حیرت کا مقام ہے۔ کہ سندھ اور کراچی کے علاقہ میں زرعی اور شہری جائدادوں کے صحیح ریکارڈ تک نہیں ہیں۔ ایسا سمجھ لیا گیا ہے کہ یہ متروکہ جائدادیں پاکستان کی دولت نہیں ہیں۔ انہیں جس طرح بھی ممکن ہو۔ برباد کیا جائے۔ اسے مہاجر دشمنی نہیں۔ بلکہ قوم و ملک سے غداری کے برابر سمجھنا چاہیئے۔ تقسیم ہند کے بعد سے لاکھوں ایکڑ زمین جس پر کاشت ہوتی تھی۔ غیر مزروعہ پڑی ہوئی ہے۔ اور کاغذات میں غیر آباد دکھائی

[1] ڈان یکم دسمبر ۱۹۵۲ء [2] مولانا عبدالقیوم کانپوری ۲۰ جولائی ۱۹۵۳ء

جارہی ہے۔ تاکہ مہاجرین کو الاٹ نہ کی جا سکے۔ .... سندھ میں یہاں تک ہو رہا ہے کہ مہاجرین پر زبان کی پابندی لگا کر تین، تین، چار، چار سال کے سرکاری ملازمین کو الگ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔"

حکومت سندھ نے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء تک ۲۵ لاکھ روپیہ بہ غرض لباس، راشن نقادی اور قرضوں کے طور پر دیا ہے۔

پارلیمنٹ[۱] میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیر مہاجرین مسٹر شعیب قریشی نے بتلایا۔ کہ مرکزی حکومت نے ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک مہاجرین کی بحالی کے لئے حکومت سندھ کو ایک کروڑ پچیس لاکھ روپیہ کی رقم دی ہے۔ جس میں سے صرف ۴۷ لاکھ لاکھ روپے اب تک صرف ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ باقی رقم کہاں گئی۔؟ مرکزی حکومت نے اس کثیر رقم کے بارہ میں کیوں خاموشی اختیار کی۔؟

مقامی وڈیروں۔ مختار کاروں، سرکاری اہل کاروں اور چند خود غرض لوگوں نے مہاجروں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اور وہ بد دل ہو کر سندھ سے چلے گئے۔ اس کا اعتراف وزارت مہاجرین کی طرف سے اس طرح کیا گیا ہے:۔

(۱) نائب وزیر مہاجرین ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ۱۳/ جون ۱۹۴۹ء کو ایک بیان میں فرمایا ہے:۔

" اخبارات میں چھپا ہے۔ کہ مشکلات کی وجہ سے ۳۰-۴۰ ہزار مہاجرین سندھ سے چلے گئے اس بارہ میں صحیح تعداد معلوم کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مہاجر واپس ضرور لے گئے"

(۲) وزیر مہاجرین خواجہ شہاب الدین نے سندھ مسلم لیگ کانفرنس منعقدہ ۱۹/ اپریل میں اپنی تقریر میں فرمایا تھا:۔

مجھے یہ سن کر رنج ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر کچھ سرکاری افسروں اور مقامی باشندوں

[۱] ۴/ اکتوبر ۱۹۵۳ء ص ۲ مہاجرین کا مسئلہ۔ از آغا محمد اشرف

نے جان بوجھ کر مہاجرین کی آبادکاری میں رکاوٹیں ڈالی ہیں۔ اور مدد کرنے کے بجائے مہاجرین کی ہمتیں پست کی ہیں۔ اکثر ضلعوں اور تعلقوں میں مقامی افسروں نے زمینیں الاٹ کرنے میں مہاجرین کے معاملہ میں غفلت اور لاپرواہی برتی ہے۔ اور ان کے اس رویہ سے مہاجرین میں سخت بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔"

سندھ میں مہاجرین کے ساتھ شرمناک برتاؤ

سندھ کے حق پرست وزیر مہاجرین و آبادکاری میر امام بخش تالپور نے سندھ کا دورہ کرنے کے بعد ایک بیان دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) بہت سے غیر مسلم زمیندار جنہوں نے اپنے خاندانوں کو بھارت بھیج دیا ہے اور جو خود اپنی عارضی بیویوں کے ساتھ یہاں رہتے ہیں۔ وہ افسروں کو رشوت دے کر جعل سازی کے ذریعہ اور پاکستان کے شہری ہونے کا بہروپ بھر کر متروکہ املاک پر قابض ہیں۔

(۲) بااثر لوگوں نے شہروں اور دیہات میں متعدد مراعات حاصل کر لی ہیں۔ اور غریب و مستحق مہاجر دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔

(۳) بہت سے گروپ لیڈروں نے ایسے خاندانوں کے نام سے بوگس الاٹمنٹ لے رکھے ہیں جن کا دنیا کے پردہ پر وجود ہی نہیں ہے۔ ان زمینوں کی کاشت وہ مزدور کر رہے ہیں۔ جنہیں نوکر رکھ لیا جاتا ہے۔

(۴) بہت سے مقامی مسلمان زمینداروں نے اپنے ملازموں یا دوسرے افراد کے نام سے بوگس آلاٹمنٹ لے رکھے ہیں۔ اور اس طرح ہزاروں ایکڑ متروکہ زمین کی پیداوار غصب کر رہے ہیں

(۵) حکومت غریب مہاجرین میں تقسیم کرنے کے لئے جو رقم مخصوص کرتی ہے وہ بھی حکومت کے افسر یا لیڈر غصب کر لیتے ہیں۔ اور غریب مہاجرین کو کچھ نہیں ملتا۔

(۴) کسی ڈپٹی کمشنر آبادکاری یا نائب مختار کار نے یہ تکلیف ہی گوارا نہیں کی کہ وہ موقع پر خود جاکر زمین تقسیم کریں یا ان زمینوں پر مہاجرین کو قبضہ دلائیں۔ بیشتر فیصلے محض کاغذی ہوتے ہیں۔ اور پٹے دار اکثر غلط اطلاعات دیتے رہتے ہیں۔"

صوبائی عصبیت

سندھ کے ہاریوں، مزدوروں اور غریبوں کے دل و دماغ آئینہ کی طرح صاف ہیں۔ ان کی مہمان نوازی اور اسلامی بھائی چارہ کی خوبیوں پر جہالت اور غربت و افلاس نے پردہ ڈال رکھا ہے اب یہ کوشش کی جا رہی ہے۔ کہ ان کے صاف دلوں پر کوتاہ نظروں کی موٹی تہیں چڑھادی ہیں۔ وڈیرے حکام اور دوسرے تعلیم یافتہ طبقے تنگ خیالی اور اعدادی اکثریت کے تباہ کن اثرات کا شکار بنتے جا رہے ہیں۔ اب بھی سندھ میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے مہاجروں سے عملی ہمدردی کا ثبوت دیا ہے۔ اور اخلاقی امداد میں ہمیشہ آگے رہے ہیں ـــ مہاجروں کی شومئ قسمت کا مداوا صرف خدا ہی کر سکتا ہے۔ جب تک بھارت میں رہے اکثریت کے رحم و کرم پر رہے۔ اور اب پاکستان میں آکر بھی صوبائی عصبیت اور اعدادی اکثریت کا نشانہ بنتے جا رہے ہیں۔ ؎ بہر زمین کہ رسیدیم۔ آسمان پیداست

۱۹۵۲ء کے آخر میں سندھ کی میونسپلٹیوں کے انتخابات میں مہاجرین کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا، ہر جگہ صوبائی تعصب کی کرشمہ سازیاں جلوہ فرما رہیں۔ ووٹروں کی فہرست میں بہت کم مہاجرین کے نام درج کئے گئے تھے۔ تمام صوبہ سندھ میں یہ شکایت عام تھی۔ مثال کے طور پر لاڑکانہ ہی کو لیجیئے۔ ۵ ار نومبر ۱۹۵۲ء کو مسٹر وصی محمد نائب صدر کل سندھ انجمن مہاجرین نے پریس کو مندرجہ ذیل بیان دیا تھا۔

لاڑکانہ میونسپلٹی کی فہرست رائے دہندگان میں مہاجرین کے نام درج نہ کرکے صریحاً

ع۱ انجام کراچی۔ ۱۸ ر نومبر ۱۹۵۲ء۔

زیادتی اور حق تلفی کی جارہی ہے۔ شہر کے مشہور سیاسی کارکن۔ صف اول کے تاجر، وکلا اور ڈاکٹروں کے نام تک رائے دہندگان کی فہرست میں درج نہیں ہیں۔ مہاجرین کوشش کرکے اپنے نام درج کراتے ہیں۔ لیکن کسی نہ کسی بہانہ سے ان کے نام مطبوعہ فہرست سے خارج کردیئے جاتے ہیں۔ متعلقہ افسروں کی یہ بھی کوشش ہے کہ مہاجرین کے نام کم سے کم درج کئے جائیں مہاجرین سندھ یہ سمجھنے پر مجبور ہیں۔ کہ وہ سندھ کی ایک لاوارث اقلیت ہیں جنہیں کسی قسم کے شہری حقوق حاصل نہیں ہیں"۔

صوبائی عصبیت کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ ہندو خاتون مس رام بائی نے کوٹڑی کے میونسپل انتخاب میں ایک مسلم مہاجر خاتون کو شکست دی۔ حالانکہ کوٹڑی میں ہندو ووٹر مشکل سے ایک درجن کے قریب ہیں"[1]۔

علاؤ الدین حیدر صاحب کانپوری ناظم جمیعت علماء پاکستان (حیدرآباد سندھ) نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے۔ کہ حیدرآباد میونسپلٹی کے انتخاب میں مہاجرین کو ناکام بنانے کی سازش کامیاب رہی۔[2]

سندھ اسمبلی کے انتخابات ۱۹۵۴ء میں کرائے گئے تھے۔ ہر جگہ سے یہ ہی شکائتیں اخباروں میں چھپی تھیں۔ کہ فہرست رائے دہندگان میں ۵۰ فیصدی مہاجرین کے نام یا تو درج نہیں کئے گئے۔ یا کسی بہانے اور حیلے سے خارج کر دیئے گئے تھے۔ انتخابات میں مہاجرین کی اکثریت کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق سندھ میں مہاجرین کی تعداد ۵ لاکھ ۶۵ ہزار ہے۔ صرف ۸ مہاجر سندھ اسمبلی کے ممبر منتخب ہوسکے ہیں

۱۹۵۳ء میں سندھ اسمبلی کی پہلی مرتبہ ہر بالغ کو رائے دہندگی کے اصول پر فہرستیں تیار کی گئی ہیں۔ جن میں ۱۷ لاکھ۔ نو ہزار تین سو ۵۵ ووٹروں کے نام درج ہیں۔ صوبائی اسمبلی کی ۱۱۱ نشستیں ہیں۔ مسلم نشستیں ۹۸ ہیں۔ مسلم خواتین کی ۳ نشستیں ہیں۔ ۱۰ عام نشستیں ہیں

صوبہ سندھ صوبائی عصبیت کا بدترین مرکز بنا ہوا ہے ...... دیہات اور قصبوں

---

[1] انجام کراچی۔ ۷ر دسمبر ۱۹۵۲ء [2] انجام کراچی ۶ر دسمبر ۱۹۵۲ء

میں سندھ کی سرزمین اب تک مہاجروں کے لئے شجر ممنوعہ بنی ہوئی ہے۔ پچھلے دنوں مرکزی حکومت نے لمبے چوڑے وعدوں کے ساتھ جن مہاجرین کو کراچی سے لے جا کر سندھ کے اندرون علاقوں میں آباد کیا تھا۔ انہیں متعصب سندھیوں نے اس قدر تنگ اور پریشان کیا۔ کہ وہ گھبرا کر سندھ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور نہ تو ہماری مرکزی حکومت نے ان تباہ حال مہاجروں کی امداد کا کوئی وعدہ پورا کیا۔ اور نہ سندھ کی وزارت نے مہاجروں کی فریاد کو جنگل کی آواز سے زیادہ وقعت دی۔ سندھ کے متعلق دنیا جانتی ہے۔ کہ وہاں بیشتر متروکہ جائدادیں غیر مستحق لوگوں کو الاٹ کی گئیں۔ اور جو مہاجرین پاکستان و مسلم لیگ کے جرم عشق میں ہندوستان سے تباہ و برباد ہو کر آئے تھے۔ وہ سر چھپانے کی بالشت بھر جگہ کے لئے بھی ترستے رہے۔ مہاجرین کو جو متروکہ زرعی زمین الاٹ بھی کی گئیں۔ وہ عملی طور پر بااثر وڈیروں کی ملکیت میں رہیں۔ اور غریب مہاجروں کو ان کی فصل سے محروم رکھا گیا۔ سندھ میں مہاجرین کی فصلیں لوٹی جانے کی شکائتیں عام ہیں۔ ماتحت سرکاری ملازموں تک نے بارہا صوبائی عصبیت کے شرمناک مظاہرے کئے۔ مہاجرین کے ننگ و ناموس کو جنس ناکارہ اور ان کی فریاد کو صدا بہ صحرا سمجھا گیا۔ سارے پاکستان میں یہ فخر صرف صوبہ سندھ کو حاصل ہے کہ وہاں مہاجروں کے خلاف علی الاعلان جلوس نکالے جاتے ہیں۔ اور جو سرکاری افسر مہاجرین کی داد رسی کرنا چاہے اس کے خلاف ۔ مردہ باد۔ کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ .... سارے پاکستان میں سندھ ہی کی پگڑی اس امتیازی طرے سے آراستہ ہے۔ کہ اس کے اخبار کھلے بندے مہاجروں کے خلاف زہر چکانیاں کرتے ہیں۔ نہ حکومت ان کا گلا پکڑتی ہے۔ اور نہ ان کی مذمت میں سندھ کے بااثر عمائد کی زبان[1] سے ایک لفظ نکلتا ہے۔

سندھ کے گورنر خان افتخار حسین خان آف ممدوٹ نے اس بات پر اظہار[2] افسوس کیا۔ کہ سندھ میں مہاجرین کی کماحقہٗ آباد کاری نہیں کی گئی۔ اور ان کے ساتھ اس معاملہ میں سراسر ناانصافی ہوئی ہے۔

[1] روزنامہ انجام کراچی ۸ دسمبر ۱۹۵۳ء۔ [2] حیدر آباد سندھ ۱۵ ستمبر ۱۹۵۴ء

مہاجر در اصل پاکستان کے صحیح معنوں میں بانی ہیں۔ اور انہوں نے جن حالات میں ہجرت کی ہے۔ اسے نظرانداز کر کے ان کے معاملہ میں غفلت برتی جا رہی ہے اگر ان کے ساتھ یہاں بھی اچھا سلوک نہیں ہوا۔ تو یہ ان پر سراسر ظلم ہوگا۔ ایڈریسوں کے سلسلے میں مجھے حکومت کے مختلف محکموں کی جانب سے جو یادداشتیں مہیا کی گئی ہیں۔ ان میں بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ فلاں اسکیم حکومت کے زیر غور ہے۔ اور فلاں اسکیم پر غور ہو رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز اور ہر اسکیم زیر غور ہے۔ اور غور و خوض کی منزل سے آگے نہیں بڑھ سکی ہے"

مغربی پنجاب

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پنجاب کے دو حصے ہوگئے تھے — مغربی پنجاب اور مشرقی پنجاب — مغربی پنجاب، مغربی پاکستان میں شامل ہے اور مشرقی پنجاب بھارت میں۔

مغربی پنجاب کا رقبہ ۶۲،۰۱۲ مربع میل ہے۔ اور مشرقی پنجاب کا رقبہ ۳۷،۰۰۰ مربع میل۔ مغربی پنجاب کا رقبہ سابقہ غیر منقسم پنجاب کے کل رقبہ کا ۶۰ فیصدی ہے۔

"مغربی پنجاب کے پاس تعلیم یافتہ افراد ہیں۔ اور آبادی خاصی ہے۔ صوبۂ پنجاب ہمیشہ سے کشوری اور عسکری ملازمتوں میں داخل ہو کر تنخواہوں کی شکل میں۔ دولت حاصل کرتا رہا ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے مرکزی حکومت سے تقریباً ساڑھے بارہ کروڑ روپیہ سالانہ فوجیوں کو تنخواہ کی شکل میں اور سات کروڑ روپیہ سالانہ سول عہدہ داروں کی تنخواہوں کی شکل میں ملا کرتا تھا۔ آج بھی پاکستان کی مرکزی حکومت کے رجسٹر میں تنخواہ کا بڑا حصہ پنجابی ملازمین کی تنخواہ پر مشتمل ہوتا ہے"۔[۱]

تقریباً پانچ لاکھ مسلمان فسادات کے دوران میں مشرقی پنجاب۔ پٹیالہ۔ فریدکوٹ۔ کپورتھلہ الور، اور بھرت پور میں شہید کر دیئے گئے۔ اس کے علاوہ پچاس ہزار سے زیادہ تعداد میں عورتیں اور بچے مشرقی پنجاب اور ملحقہ ریاستوں میں مسلمانوں سے ہندوؤں اور سکھوں نے زبردستی چھین لئے یا اغوا کر لئے تھے۔

۱۹۵۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق مہاجرین کی سب سے زیادہ تعداد مغربی پنجاب میں ہے۔ صوبہ پنجاب کی تمام آبادی کے تناسب سے مہاجرین کا تناسب ۲۶ فی صدی ہے پاکستان کی مجموعی آبادی میں سے مہاجرین کا ۴/۵ حصہ مغربی پنجاب میں ہے۔

تمام پاکستان میں مہاجرین کا بار گراں سب سے پہلے مغربی پنجاب کو برداشت کرنا پڑا۔

[۱] سرکاری زبان کا مسئلہ — سید الطاف علی بریلوی ایڈیٹر العلم

۱۹۴۸ء میں کچھ مہاجرین مغربی پنجاب کے شہروں اور دیہات میں پہونچا دیئے گئے تھے۔
لاہور، منٹگمری، ملتان اور دوسرے کیمپوں سے ۲ لاکھ مہاجرین سندھ بھیج دیئے گئے تھے۔
۱۹۴۷ء مہاجرین کی آمد کا سال کہا جاتا ہے۔ ۱۹۴۸ء تک گورنمنٹ پاکستان بہت زیادہ حد تک ان مشکلات پر غالب آچکی تھی۔ پارلیمنٹ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے خواجہ شہاب الدین نے فرمایا تھا۔ کہ ۲۸ فروری ۱۹۴۹ء تک حکومت پاکستان مہاجرین کی آبادکاری پر ۱ کروڑ ۸۳ لاکھ ۔ ۴۷ ہزار ۔ ۹۹۵ روپیہ خرچ کر چکی ہے۔
مارچ ۱۹۴۸ء کے پہلے ہفتہ میں پنجاب میں ۱۷ کیمپ موجود تھے۔ جن میں ۷۰ لاکھ پناہ گزین مقیم تھے۔ مغربی پنجاب سے ۰۰۰، ۵۰، ۹۳ غیر مسلم بھارت چلے گئے۔ اور ۶۷ لاکھ ۶۳ ہزار مسلمان مہاجر بھارت سے مغربی پنجاب میں آئے۔ ۵ لاکھ مہاجرین کشمیر ان کے علاوہ ہیں۔ ان میں سے بیشتر راولپنڈی اور دوسرے مہاجر کیمپوں میں مقیم تھے پنجاب کے علاوہ کچھ سرحد میں کچھ کوئٹہ میں اور کچھ کراچی میں آباد ہیں۔ کراچی میں ۵ ہزار کشمیری آباد ہیں۔ کشمیری مہاجرین میں ایک بھی گداگری کرتے ہوئے نہیں ملے گا۔

پاکستان کا اعلان ہوتے ہی مہاجرین کی آبادکاری کا سب سے زیادہ بوجھ مغربی پنجاب کے صوبہ پر پڑا تھا۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علی خان صاحب نے اپنا مستقل ہیڈکوارٹر لاہور کو بنا لیا تھا۔ ۱۷ فروری ۱۹۴۸ء کو مسلم لیگ کونسل کے سالانہ اجلاس منعقدہ کراچی میں جناب لیاقت علی خان صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا :-
"قائداعظم نے فرمایا تھا۔ کہ پاکستان کی حفاظت لاہور سے کی جاسکتی ہے۔ میں وہاں گیا تھا میں بورڈر (سرحد) پر جایا کرتا تھا۔ مہاجرین بھوکے، ننگے، کمزور اور بوڑھے سڑکوں پر پیدل چل کر یہ پوچھنے آتے تھے۔ کہ کیا پاکستان آگیا۔ اور سرزمین پاکستان پر پہونچ کر اطمینان کا سانس لیتے اور خدا کا شکر ادا کرتے"۔
بینکوں، کاروبار، اور نقل و حرکت کے تمام وسیلوں پر مغربی پاکستان میں غیر مسلموں کا قبضہ

تھا۔ اور ان کے چلے جانے کے بعد فوراً ہی ان تمام کاموں کو چلانا آسان کام نہیں تھا۔ ۴ر اپریل ۱۹۴۹ء کو مہاجرین کونسل کے جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے وزیر اعظم لیاقت علی خان صاحب نے فرمایا تھا۔

"اگر آج ہم مغربی پاکستان میں تجارت، صنعت و حرفت اور کاروبار پر مسلمانوں کا قبضہ دیکھ رہے ہیں۔ تو یہ ہمارے مہاجرین کی بدولت ہے"

پاکستان کے دستورِ حکومت کے مطابق تمام پاکستانیوں کو مساویانہ اور یکساں حقوق حاصل ہیں۔ لیکن پنجاب میں تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبوں سے آئے ہوئے مہاجرین کے ساتھ امتیاز قائم کیا گیا۔

اگر یہ کہنا درست ہے۔ کہ متفقہ علاقوں میں قتل اور خون ریزیاں ہوئیں۔ جس کی وجہ سے وہاں کے مسلمان پاکستان آئے۔ تو یہ بھی درست ہے۔ کہ غیر متفقہ علاقوں میں بھی فسادات ہوئے۔ اور خون ریزیاں ہوئیں۔ جس کی وجہ سے وہاں کے مسلمان مجبوراً پاکستان آئے۔

جالندھر میں مغربی پنجاب کی طرف سے پاکستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر کا دفتر ہے۔ مشرقی پنجاب سے آنے والے مسلمان مہاجرین کو مغربی پنجاب بھیجنے کے لئے تمام آسانیاں مہیا کی گئی ہیں لیکن غلطی یا عدم واقفیت سے اگر کوئی غیر تسلیم شدہ رقبہ کا مسلمان مہاجر۔ بغیر کسی اجازت نامہ کے۔ پاکستان میں داخل ہونے کے لئے یہاں آجاتا تھا۔ تو اسے یہ محسوس ہوتا تھا۔ کہ عالمگیر اسلامی مساوات کے بجائے یہاں پنجابیت یا صوبائی تنگ خیالی کا جذبہ کار فرما ہے۔

تمام پاکستان میں پنجاب کے باشندے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور قابل ہیں۔ سیاسی حیثیت سے بھی سب سے زیادہ بیدار ہیں۔ جب کسی بیرونی حملہ کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ تو سب کی نظریں پنجاب کی طرف اٹھتی ہیں۔ پنجاب کا یہ فخر قابلِ تسلیم ہے۔ کہ اس کی فوجیں آزمودہ کار اور شجاع ہیں۔ ہماری سب کی دعا ہے۔ کہ ہمارے پنجابی بھائیوں کے دست و بازو کو خدا نظر بد سے بچائے یہ صحیح ہے۔ کہ موجودہ پاکستان علامہ اقبالؒ کے خواب کی تعبیر ہے۔ یہ بھی صحیح ہے۔ کہ پنجاب کے لوگ اسلامی جوش و ایثار میں کسی سے کم نہیں ہیں۔ اور مہمان نواز و خوش اخلاق ہیں۔ یہ بھی مسلمہ

بات ہے۔ کہ اردو کی زلف پریشان پنجاب کے شاعروں اور ادیبوں کی مرہون منت ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ کہ سرزمین پنجاب صوبائی تعصب و تنگ خیالی میں بنگالی اور سندھی سے کسی طرح پیچھے نہیں ہے

مشرقی پاکستان

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو بنگال کے دو حصے کر دیئے گئے ــ مغربی بنگال اور مشرقی بنگال ــ مشرقی پاکستان میں صوبہ مشرقی بنگال اور آسام کا ضلع سلہٹ شامل ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد مشرقی بنگال میں ۴۹ ہزار مربع میل کا علاقہ پاکستان کو ملا۔ یہ علاقہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ گنجان آباد ہے۔ آبادی ۷۰۸ نفوس فی مربع میل ہے۔ مشرقی پاکستان کا رقبہ ۵۴۹۲۰ مربع میل ہے۔ مشرقی بنگال کا رقبہ پنجاب سے کم ہے۔ لیکن آبادی کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔

۱۹۴۸ء کی مردم شماری کے مطابق مشرقی پاکستان کی آبادی ۴۲۷۰۰۰۰۰ تھی۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق مشرقی پاکستان کی آبادی ۴۱۹۳۲۰۰۰ ہے۔ مشرقی پاکستان میں مسلمان تین کروڑ، بائیس لاکھ چھتیس ہزار ہیں۔ مغربی پاکستان میں ــ (کشمیر اور پاغستان کو چھوڑ کر) ــ تین کروڑ ۷۰ لاکھ مسلمان آباد ہیں۔

ہندو (اعلیٰ ذات) اکتالیس لاکھ ستاسی ہزار ہیں۔ اور اچھوت ــ پچاس لاکھ باون ہزار غیر مسلموں کی سب سے زیادہ تعداد مشرقی پاکستان میں ہے

مشرقی پاکستان کی اسی فی صدی آبادی کاشتکاروں کی ہے۔ ۱۹۵۰ء میں زرعی اصلاحات کے سلسلہ میں ایک قانون پاس ہوا تھا۔ جس سے کاشتکاروں کو حسب ذیل فائدے پہونچنے کی امید ہے۔

(۱) حکومت اور کاشتکار کے مابین اب کوئی درمیانی ہستی نہیں رہے گی

(۲) تمام کاشتکاروں کو زمین کے مالکانہ حقوق حاصل ہوں گے۔

(۴) آئندہ سے صرف کاشتکار ہی زمین خرید سکتا ہے۔ کسی کو ۲۵ ایکڑ سے زیادہ زمین پر قبضہ کی اجازت نہیں ہوگی۔

مشرقی پاکستان میں ابھی تک کسانوں کو اپنی مزروعہ زمین پر حقوق ملکیت حاصل نہیں ہیں اس کے برخلاف بھارت کی ریاست اترپردیش۔ (صوبۂ یو۔پی) میں کسانوں کو حقوق ملکیت دے دیئے گئے ہیں۔ شرط یہ ہے۔ کہ وہ ۱۵ سال کا لگان گورنمنٹ کے خزانہ میں داخل کر دیں۔ یہ لگان آسان قسطوں میں ادا کرنے کی اجازت ہے۔ اس روپیہ میں سے گورنمنٹ زمینداروں کو زمین کا معاوضہ ادا کرتی ہے — مشرقی بنگال میں ہندو زمیندار کی جگہ اب مسلمان زمیندار نے لے لی ہے۔ اور مسلمان کاشتکار ابھی تک تباہ و برباد حالت میں ہے۔ مشرقی پاکستان کا کسان عمر بھر مقروض رہتا ہے۔ اور مقروض ہی مر جاتا ہے۔

کراچی سے تقریباً ایک ہزار میل کے فاصلہ پر مشرقی پاکستان واقع ہے۔ صدیوں سے یہاں کے مسلمان مقامی ہندوؤں کے سماجی اور اقتصادی جنگل میں پھنسے ہوئے تھے انگریزوں کے دور حکومت میں مسلمان بالکل کس مپرسی اور انتہائی افلاس کی حالت کو پہونچ گئے تھے مسلمان کاشتکار ہندو زمینداروں کے قبضہ میں آگئے تھے۔ شہروں میں ۹۰ فیصدی تجارت اور دوسرے کاروبار ہندوؤں کے ہاتھ میں تھے۔

۱۹۰۶ء میں لارڈ کرزن کے عہد حکومت میں انگریزوں نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا — مغربی بنگال اور مشرقی بنگال — اس تقسیم سے مسلمان کاشتکاروں اور مسلمان مزدوروں کو فائدہ پہونچتا تھا۔ اور ہندو جاگیرداروں کو نقصان — ہندو وحشت پسندوں نے تقسیم بنگال کی تنسیخ کے لئے بموں اور پستولوں سے وسیع پیمانہ پر شورش برپا کر دی تھی۔ بہت سے انگریز افسروں کو بم اور پستول کا نشانہ بنا دیا گیا تھا۔ ۱۹۱۲ء میں ایک انقلابی مسٹر راش بہاری گھوش نے لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند پر بم پھینکا۔ انگریز نے خوف و دہشت سے گھبرا کر تقسیم بنگال کو منسوخ کر دیا تھا۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو نواب وقار الملک اور نواب

ڈھاکہ اور چند دوسرے مخلص مسلمانوں نے نزاکتِ حالات کا اندازہ کرتے ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ کا سنگِ بنیاد رکھا طویل عرصہ کے بعد مسلم لیگ نے مسلمانوں میں تنظیم و اتحاد کا کام شروع کیا۔ اور پاکستان کا نعرہ بلند کر کے آزادی جہاد کا ایک خاص ولولہ پیدا کر دیا ــــ

۱۶ اگست ۱۹۴۶ء میں ہندو انقلابیوں نے کلکتہ میں ایک ہولناک فساد برپا کر کے مسلمانوں کے خلاف قتل و غارت گری کی تحریک شروع کی۔ ۱۹۴۷ء میں بنگال پھر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور اس طرح پاکستان عالم وجود میں آیا۔ جس کا ایک بازو مشرقی پاکستان ہے۔ اور دوسرا بازو مغربی پاکستان ــــ ہندو انقلابیوں نے مشرقی پاکستان کے خلاف معاندانہ تحریک اور "بنگال عظمیٰ" کا پروپیگنڈا اب بھی بہت وسیع پیمانہ پر جاری کر رکھا ہے۔ ۱۹۵۰ء میں مسٹر متر انے جو کہ مشرقی پاکستان کے باشندے تھے۔ کلکتہ پہونچ کر ایک پروگرام مرتب کیا۔ جس کا مقصد مشرقی پاکستان پر چڑھائی کرنا تھا۔ ڈھاکہ میں یہ لوگ اردو کے خلاف شدید ہنگامے برپا کر چکے ہیں۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالم و فاضل بزرگ غیر فانی، اسلامی مورخ اور جمیعۃ العلماء پاکستان کے صدر کی توہین ہیں انہی انقلابی جماعتوں کا پوشیدہ ہاتھ کارفرما رہا ہے۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن

تقسیم ہندو پاکستان کے بعد مشرقی بنگال میں بھی بہار۔ یو۔ پی اور آسام سے مہاجر آنا شروع ہو گئے تھے۔ لیکن ۱۹۵۰ء کے آغاز میں مشرقی پاکستان کو مہاجرین کے اہم مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا یہ نہ معلوم ہو سکا: کہ تین سال کے عرصہ میں یعنی دسمبر ۱۹۵۳ء کے آخر تک کتنے مہاجر مشرقی بنگال میں داخل ہوئے۔ کتنے آباد کر دیئے گئے۔ اور کتنے اب تک خانہ بدوش ہیں؟ صحیح اعداد و شمار اب تک مشرقی پاکستان کی حکومت نے شائع نہیں کئے۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے۔ کہ اب تک وزارت مہاجرین و آبادکاری

پاکستان کو مشرقی پاکستان کی حکومت نے مہاجرین کی آبادکاری کے متعلق اعداد و شمار فراہم نہیں کیئے۔

روزنامہ ڈان نے اپنے ایک اداریہ میں لکھا ہے " کہ مشرقی پاکستان کے مہاجرین کے اعداد و شمار ابھی تک تیار نہیں کیئے گئے ہیں۔

مشرقی پاکستان میں مہاجرین کے معاملہ کی دوسری نوعیت ہے جس کے اعداد و شمار ابھی تک عوام کو نہیں مل سکے ہیں "۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی وزیر مہاجرین و آبادکاری پاکستان نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتلایا کہ مشرقی پاکستان میں آبادکاری مہاجرین کے متعلق اعداد و شمار دستیاب نہیں ہوئے ہیں ـــ ۲۰ مارچ ۱۹۵۳ء ۲۹ ستمبر ۱۹۵۳ء کو پاکستان پارلیمنٹ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مسٹر شعیب قریشی وزیر مہاجرین و آبادکاری نے بتلایا کہ مشرقی بنگال سے مہاجرین کی آبادکاری کے متعلق پورے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے مشرقی پاکستان میں مہاجرین کی تعداد سات لاکھ دس ہزار ہے یعنی مشرقی پاکستان کی تمام آبادی کا ۱۰ فیصدی۔ پاکستان پارلیمنٹ میں وزیر مہاجرین نے بتلایا کہ دسمبر ۱۹۵۲ء تک ۱۲ لاکھ ۷۰ ہزار مہاجرین مشرقی پاکستان آئے۔

اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ۲۰ ستمبر ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۲ء تک دو سال کے عرصہ میں ۳۷،۷،۱۵ مزید مہاجرین نے مشرقی بنگال میں سکونت اختیار کی۔

امروز کراچی ۵ جنوری ۱۹۵۳ء

صدر انجمن مہاجرین مشرقی پاکستان نے بتلایا۔ کہ تیس لاکھ مہاجر مشرقی پاکستان میں آئے۔ جن میں سے ۵ لاکھ معمولی طور پر آباد کئے جا چکے ہیں۔ (ڈان ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۳ء)

پاکستان پارلیمنٹ میں بجٹ پر بحث کرتے ہوئے مسٹر محمد ابوالقاسم نے کہا۔ کہ مشرقی پاکستان میں ۴۰ لاکھ مہاجر ہیں۔ جو کہ بہت ہی خراب حالت میں ہیں۔ ملک کے مفاد کی خاطر ان کی آبادکاری بہت ہی ضروری ہے (ڈان ۲۱ مارچ ۱۹۵۴ء)

مشرقی بنگال میں مغربی پاکستان کی طرح متروکہ جائداد کے قانون کا اطلاق نہیں ہے۔ اس لئے وہاں کوئی متروکہ جائداد مہاجرین کو نہیں مل سکتی ہے۔ ان حالات میں مشرقی پاکستان میں مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ دشوار بن گیا ہے۔

مشرقی پاکستان سے ترک وطن کرتے وقت ہندوؤں نے ۱۰۱۷۶۱ (ایک لاکھ ۷۶ ہزار دس)، مکانات اور نو ہزار سات سو چھیاسٹھ دوکانیں چھوڑی تھیں۔ ان میں سے ایک لاکھ چھ سو گیارہ مکانات اور نو ہزار تینتیس دوکانیں واپس آنے والے ہندوؤں کو لوٹائی جا چکی ہیں۔

مشرقی پاکستان کی حکومت نے واپس آنے والے تارکِ وطن ہندوؤں کی آباد کاری کے لئے سات لاکھ روپیہ سے زیادہ رقم صرف کی۔ اور مرکزی حکومت نے پندرہ لاکھ روپیہ مشرقی پاکستان کی حکومت کو بطور قرض دیئے۔

مشرقی پاکستان سے ۴۰ ہزار مسلمان مہاجرین مغربی بنگال بھیجے گئے۔ ان پر مشرقی پاکستان کی حکومت نے چار لاکھ روپیہ صرف کئے۔

مشرقی بنگال کے مہاجرین کی انجمن نے مسٹر محمد علی وزیر اعظم پاکستان کی خدمت میں مندرجہ ذیل شکائیتیں پیش کی تھیں:-

(۱) مشرقی بنگال میں تیس لاکھ مہاجر ہیں۔ یہ آسام، مغربی بنگال، بہار اور یوپی سے وہاں پہونچے ہیں۔
(۲) مہاجروں کی کافی تعداد اب تک سرکاری کیمپوں، گوداموں، جھونپڑیوں میں اور فٹ پاتھوں پر زندگی بسر کر رہی ہے۔
(۳) بے روزگاری پھیلی ہوئی ہے۔
(۴) مہاجروں کی حالت بہتر بنانے میں مرکزی اور صوبائی حکومتیں ناکام رہی ہیں۔
(۵) وفد نے درخواست کی ہے۔ کہ دیناج پور اور رنگ پور کی غیر زرعی اراضیات کو قابلِ کاشت بنایا جائے۔ اور مغربی بنگال و آسام کے مہاجروں کو جو کاشتکار ہیں آباد کیا جائے۔
(۶) مہاجر ملازموں کو تخفیف سے محفوظ رکھا جائے۔ (مئی روشنی ۱۵ / مئی ۱۹۵۳ء)

مشرقی پاکستان میں مہاجروں کی کیا حالت ہے۔ مقامی باشندوں اور حکومت کے افسروں کا کیسا برتاؤ ہے؟ اس کے متعلق چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔ جو کراچی کے مشہور اخباروں سے لئے گئے ہیں

(۱) مشرقی پاکستان کے مہاجر بہ سلسلۂ آبادکاری وہ مفاد حاصل نہ کر سکے۔ جو مغربی پاکستان میں خرابیوں کے باوجود مہاجروں کو حاصل ہوئے ہیں

(۲) مشرقی پاکستان میں مہاجرین کے ساتھ زبانی ہمدردی کا اظہار بھی نہیں کیا گیا۔ کلکتہ اور مغربی بنگال کے مسلمان بھی مشرقی پاکستان کی حکومت کی نگاہوں میں ناپسندیدہ سمجھے جاتے تھے۔

(۳) کاغذ پر کوٹا مقرر کئے جانے کے بعد۔ سول سروس کا دروازہ بند ہے۔ مہاجر مجسٹریٹ کے عہدہ پر بھی مقرر نہیں کئے جاتے۔ محکمہ پولیس میں بھی داخلہ پر بہت سی رکاوٹیں ہیں۔ ڈھاکہ یونیورسٹی اور ملحقہ کالجوں میں داخلہ کے لئے انہیں سکونتی سرٹیفکیٹ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جس کا حاصل کرنا بہت دشوار ہے۔

(۴) مرکزی حکومت نے مہاجرین کی آبادکاری کے لئے لاکھوں روپیہ کی رقم دی۔ جس کا صحیح استعمال نہیں کیا گیا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ مہاجرین جوٹ کے گوداموں میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور ٹھیکہ دار زیادہ تر رقموں کو اپنی جیب میں ڈال لیتے تھے۔

(۵) ۱۹۴۷-۴۹ء میں مشرقی بنگال کے وزیر خزانہ نے مرکز کی دی ہوئی رقم یہ کہہ کر واپس کر دی کہ مشرقی پاکستان میں مہاجرین کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ بات اس وقت کہی گئی جب کہ ہزاروں مہاجرین ڈھاکہ اور دوسرے مقامات کے فٹ پاتھ پر زندگی بسر کر رہے تھے۔ مہاجر تاجروں کے مشرقی پاکستان میں دوکانیں کھولنے اور دوسرے کاروبار کو روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی۔

(نئی روشنی۔ کراچی۔ ۲۰/ مارچ ۱۹۵۴ء)

(۶) مذہبی نقطۂ نگاہ سے بھی مشرقی پاکستان کا مسلمان، پاکستان کے دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں کچھ آگے ہی رہے گا۔ انتہا یہ ہے۔ کہ مشرقی پاکستان میں چور جب تک نماز عشاء پڑھ نہیں لیتا۔ چوری کے لئے نہیں نکلتا۔ اس قدر مذہبی جذبات کے باوجود بنگالی مسلمان۔

ے۱ قومی زبان۔ کراچی یکم جون ۱۹۵۲ء صفحہ ۷

مہاجر مسلمان سے دور رہتا ہے۔ اور بنگالی ہندو سے قریب تر اور ہم پیالہ وہم نوالہ رہتا ہے۔

(۷) مشرقی پاکستان مسلم لیگ نے کسی مہاجر امیدوار کو مشرقی بنگال اسمبلی کے لئے مسلم لیگ کا ٹکٹ نہیں دیا۔

(۸) ڈھاکہ یونیورسٹی کے پروفیسروں میں زیادہ تر بھارتی باشندے تھے۔ جو بھارت کے پاس پورٹ پر ڈھاکہ میں رہتے تھے

(۹) لسانی تعصب ــــ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے جو کہ پاکستان کے وزیر تعلیم رہ چکے ہیں وزیر ہونے سے پہلے ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے صدر کی آسامی کے لئے درخواست دی تھی ڈاکٹر معظم حسین نے جو اس وقت وائس چانسلر تھے۔ ان کی درخواست مسترد کر دی۔ اور اس عہدہ پر ایک بھارتی ہندو کو مقرر کیا۔ کیونکہ ڈاکٹر حسین قریشی اردو بولتے تھے۔ اور اس بھارتی باشندہ کی زبان بنگلہ تھی۔

(۱۰) مہاجر زیادہ تر مسلم لیگی ہیں۔ اور اردو بولنے والے ہیں۔ انہوں نے زیادہ تر اپنے ووٹ مشرقی بنگال اسمبلی کے مسلم لیگی امیدواروں کو دیئے ہیں۔ اس لئے مہاجروں اور بنگالیوں میں جذبات نے تلخی اختیار کر لی۔ اور مہاجروں کے خلاف لسانی بنیادوں پر زہر پھیلایا گیا۔ مشرقی بنگال میں اردو بولنے والوں پر حملے کئے گئے۔ حالانکہ پاکستان اردو کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔

مسٹر احمد جعفر ممبر پاکستان پارلیمنٹ نے مسٹر فضل الحق کو ایک تار بھیجا تھا۔

"کہ نافلی پیپر ل کے مہاجر کارکنوں کو جس بے دردی سے ہلاک کیا گیا ہے۔ اس سے مغربی پاکستان میں غم و تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے"[۲]

مشرقی بنگال میں فسادات کے متعلق مولانا بھاشانی نے ایک تقریر میں فرمایا تھا ــــ مہاجر ہمارے بھائی ہیں ــــ مہاجرین کو چاہیئے۔ کہ وہ بھول جائیں۔ کہ وہ مہاجر ہیں ــــ مجھے امید ہے۔ کہ مہاجر اس مطالبہ کی حمایت کریں۔ کہ بنگالی کو پاکستان کی ایک سرکاری زبان بنایا جائے۔ جمہوریت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اکثریت کی رائے کو تسلیم کیا جائے۔[۳]

---

[۱] نئی روشنی، کراچی ۱۰ فروری ۱۹۵۶ء [۲] انجام کراچی ۲۸ مارچ ۱۹۵۴ء [۳] ۲۷ مارچ ۱۹۵۴ء ڈھاکہ

آدم جی جوٹ ملز کا فساد

کرنافلی کے فساد میں تیس جانیں تلف ہوئیں۔ نرائن گنج میں آدم جی جوٹ ملز کے فساد میں پانچسو سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے۔ اور کئی سو افراد زخمی ہوئے۔

آدم جی جوٹ ملز میں مزدوروں کی تعداد	۱۰,۰۰۰	ہے
بنگالی مزدوروں کی تعداد	۸,۵۰۰	ہے
مہاجر مزدوروں کی تعداد	۲,۰۰۰	ہے۔

ان مہاجر مزدوروں میں ۱۰۰۰ وہ مزدور ہیں جو کلکتہ ملز سے آئے تھے۔ اور باقی اڑیسہ اور بہار کے رہنے والے ہیں۔ آدم جی جوٹ ملز کے فساد میں ہلاک ہونے والوں اور زخمیوں میں زیادہ تعداد مہاجروں کی ہے۔ مشرقی بنگال کے مسلمانوں نے مہاجر عورتوں اور بچوں کو آگ میں جلا کر صوبائی عصبیت اور بربریت کا نہایت ہی لرزہ خیز مظاہرہ کیا ہے۔ یہ کس قدر دردناک ہے کہ مسلمانوں نے مسلمانوں کو قتل کیا۔ مسلمان مہاجروں کے جھونپڑے جلائے۔ ان کے سامان کو لوٹا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کے سفاکی کے ساتھ ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ کیا خباثت و سنگدلی میں یہ حادثہ کربلا کے دل گداز حادثہ سے کسی طرح کم ہے۔

مشرقی بنگال اور متروکہ املاک کا قانون

مشرقی بنگال کے مسلمان لیڈروں نے بھارت نوازی اور ہندو دوستی کے سلسلہ میں متروکہ املاک کے قانون کو مشرقی بنگال میں نافذ کرنے کی شروع سے سخت مخالفت کی۔ ان کا خیال تھا کہ اس قانون کا مشرقی بنگال پر اطلاق، بنگال کے ہندوؤں کو ناراض کرنے کا سبب بنے گا۔ جسے وہ بمشکل

ہی پسند کرتے تھے۔ مشرقی بنگال کے مسلمان لیڈروں نے مشرقی بنگال میں مہاجرین کی آمد کو بھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ مشرقی بنگال کے لیڈروں کی بڑی تعداد اسی منفی ذہنیت پر چلتی رہی جس کی وجہ سے پاکستان کی مرکزی حکومت مشرقی بنگال میں متروکہ املاک کے ان قوانین کے نفاذ میں جو کہ مغربی پاکستان میں رائج تھے ہچکچاتی رہی۔

عجیب بات ہے۔ کہ حکومت پاکستان اپنی سرحدوں کی سخت نگرانی کرتی ہے۔ پھر بھی ہر سال ۷ لاکھ گانٹھ پٹسن، چاول اور سونا بھارت چلا جاتا ہے۔ جس سے ہر سال پاکستان کو چالیس کروڑ روپیہ کا نقصان ہوتا ہے۔

اخبار لندن ٹائمز کے نمائندے نے مشرقی بنگال کا دورہ کرنے کے بعد یہ انکشاف کیا ہے کہ ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک مشرقی بنگال سے تین ارب مالیت کا سرمایہ بھارت منتقل ہو چکا ہے۔ جس سے پاکستان کو ہر سال چالیس کروڑ کا نقصان ہوتا ہے۔ متروکہ املاک کا قانون بھارت نے اپنے مشرق کے چند علاقوں کو چھوڑ کر باقی سارے بھارت میں نافذ کر دیا۔ لیکن پاکستان کی حکومت نے متروکہ املاک کے قانون کو صرف مغربی پاکستان تک محدود رکھا۔ مشرقی بنگال میں ۸۰ فیصدی جائداد ہندوؤں کے قبضہ میں تھی جو اگر متروکہ جائداد کے قوانین کی زد میں آجاتی تو بھارت کو نقصان ہوتا۔ متروکہ املاک کے تنازعہ کے سلسلہ میں شروع سے ہندوستان کا یہ موقف رہا۔ کہ وہ مسلمانوں کی املاک کی قیمت کو ہندوؤں کی املاک کے مقابل کم بتاتا رہا۔ اور تین ارب روپیہ کی زیادتی فرض کر کے پاکستان سے مطالبہ کرتا رہا کہ تین ارب روپیہ بھارت کو ادا کرے۔ بہ طور فرض اس مطالبہ کو صحیح مان لیا جائے۔ تو مشرقی بنگال کا یہ متروکہ سرمایہ جس میں سے تین ارب کے لگ بھگ بھارت جا چکا ہے۔ اگر ناجائز طور پر بھارت نہ چلا جاتا۔ تو یہ بھارت کے اس مطالبہ کے ٹھیک برابر ہوتا

ے اقتباس۔ ۵ جنوری ۱۹۵۹ء روزنامہ جنگ کراچی۔

پاکستان میں مہاجرین کی تعداد اور آبادکاری

۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق مہاجرین کی تعداد اکہتر لاکھ پچاس ہزار (۷۱,۵۰,۰۰۰) ہے. یعنی تمام آبادی کا ۹ء۴ فیصدی. جولائی ۱۹۵۲ء تک مہاجرین کی تعداد ۷۲ لاکھ سے اوپر پہنچ گئی ہے

صوبوں کے لحاظ سے مہاجرین کی سب سے زیادہ تعداد پنجاب میں ہے. صوبہ پنجاب کی تمام آبادی کے تناسب سے مہاجرین کا تناسب ۲۶ فیصدی ہے اور آبادی (۴۸,۸۲,۰۰۰) ۴۸ لاکھ. بیاسی ہزار ہے.

شہروں کے لحاظ سے مہاجرین کی سب سے بڑی تعداد کراچی میں ہے. یعنی شہر کی آبادی کا ۴۸ فیصدی. کراچی میں مہاجرین کی آبادی پانچ لاکھ - ۴۳ ہزار (۵۴۳,۰۰۰) ہے

تمام پاکستان میں صرف صوبۂ سرحد کا آزاد علاقہ ہی ایک ایسی جگہ ہے. جہاں کوئی مہاجر آباد نہیں ہے

مہاجرین کی تعداد[۱] اور تناسب آبادی :-

مشرقی پاکستان — سات لاکھ. دس ہزار — (۷,۱۰,۰۰۰) یعنی ۷ء۱ فیصدی

سندھ — پانچ لاکھ. ۶۵ ہزار (۵,۶۵,۰۰۰) یعنی ۲ء۱۲ فیصدی

بہاولپور — تین لاکھ - ۱۷ ہزار (۳,۱۷,۰۰۰) یعنی ۳ء۲۰ فیصدی

صوبۂ سرحد - اکیاون ہزار - یعنی ۶ء۱ فیصدی

بلوچستان — ۲۹ ہزار - یعنی ۷ء۴ فیصدی

ریاست خیرپور — گیارہ ہزار - یعنی ۳ء۴ فیصدی

بلوچستان کی ریاستیں — ایک ہزار یعنی ۲ فیصدی

مہاجر[۲] پاکستان میں داخل ہونے کے بعد ایک جگہ قیام کا انتظام نہیں کرتے. بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک صوبے سے دوسرے صوبہ میں گھومتے پھرتے ہیں. ان کی اس

۱: روزنامہ ڈان (انگریزی) ۱۷ جولائی ۱۹۵۲ء ۲: ترجمہ واقتباس. لیڈنگ آرٹیکل روزنامہ ڈان (انگریزی) ۹ اگست ۱۹۵۲ء

سیمابی حالت کی وجہ سے صحیح اعداد و شمار کا جمع کرنا ایک مشکل کام تھا۔ ۲۸ر فروری ۱۹۵۲ء کو مغربی پاکستان کے مہاجرین کی صحیح مردم شماری کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے مطابق مغربی پاکستان ۲۸ر فروری تک ۶۴ لاکھ۔ ۴۹ ہزار مہاجر داخل ہوئے۔

یہ اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ ۲۸ر فروری ۱۹۵۲ء سے ۳۱ر مارچ ۱۹۵۲ء تک ایک لاکھ ۲۳ ہزار سات سو ساٹھ (۱۲۳,۷۶۰) مزید مہاجر مغربی پاکستان کے مختلف صوبوں میں جاکر آباد ہوگئے۔ اس لئے مغربی پاکستان میں ۳۱ر مارچ ۱۹۵۲ء تک مہاجرین کی آبادی چھیاسٹھ لاکھ بائیس ہزار چھ سو ستر (۶,۶۲۲,۶۷۰) تھی۔ اس تعداد میں کشمیر کے ۴ لاکھ مہاجر شامل نہیں ہیں۔

اس مردم شماری کی رپورٹ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے۔ کہ کراچی کی گیارہ لاکھ۔ اڑتالیس ہزار (۱۱,۴۸,۰۰۰)۔ آبادی میں پانچ لاکھ۔ تینتالیس ہزار (۵,۴۳,۰۰۰) مہاجر کی آبادی ہے۔ کراچی میں مہاجرین کی آبادی روزانہ بڑھ رہی ہے۔ اور تمام پاکستان میں یہی ایک ایسا شہر ہے۔ جو کہ مہاجروں کے لئے بڑی کشش رکھتا ہے۔ تخمینہ کے مطابق ۳۱ر مارچ ۵۲ء تک کراچی کے مہاجرین میں ستاسی ہزار (۸۷,۰۰۰) کا اور اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لئے ۳۱ر مارچ ۱۹۵۲ء تک کراچی کے مہاجرین کی تعداد چھ لاکھ تینتیس ہزار (۶,۳۳,۰۰۰) تک پہونچ گئی ہے۔

مشرقی پاکستان کے مہاجروں کے اعداد و شمار ابھی تک تیار نہیں کئے گئے ہیں جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے۔ مرکزی حکومت نے ابھی تک کوئی ایسی رپورٹ شائع نہیں کی ہے۔ جس سے عوام کو یہ اندازہ ہو سکے۔ کہ مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ کہاں تک حل ہو چکا ہے۔ اس کام پر مرکزی حکومت اور صوبوں کی حکومتیں بڑی بڑی رقمیں صرف کر رہی ہیں۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں، کہ آبادکاری کے لئے اب تک کتنا روپیہ گورنمنٹ نے منظور کیا ہے۔ کتنا روپیہ واقعی صرف ہو چکا ہے۔ اور کتنا روپیہ صرف کرنا باقی ہے اس میں کتنی کامیابی ہوئی ہے۔ اور کتنا کام کرنا باقی ہے۔ مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ مغربی پاکستان میں بہت زیادہ وسیع مسئلہ ہے۔ مشرقی پاکستان میں مہاجرین کے

مسئلہ کی دوسری نوعیت ہے۔ جس کے اعداد و شمار ابھی تک عوام کو نہیں مل سکے ہیں۔"[1]

پاکستان پارلیمنٹ میں وزیر مہاجرین و آبادکاری ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے فرمایا،[2] کہ پاکستان میں دسمبر ۱۹۵۲ء تک بھارت سے ۸۰ لاکھ مہاجر آئے ہیں۔ مغربی پاکستان میں دسمبر ۱۹۵۲ء تک ۶۷ لاکھ سے زیادہ مہاجر آ چکے ہیں۔ اس عرصہ میں بارہ لاکھ ۷۰ ہزار مہاجر مشرقی پاکستان میں آئے۔ لیکن وہاں کی آبادکاری کے متعلق اعداد و شمار دستیاب نہیں ہو سکے۔ ہر صوبے کے اعداد و شمار بتاتے ہوئے وزیر مہاجرین نے کہا۔ کہ پنجاب میں ۴۹ لاکھ سندھ میں چھ لاکھ۔ ۲۰ ہزار۔ صوبہ سرحد میں ۶۰ ہزار۔ بلوچستان میں ۳۰ ہزار بہاولپور میں تین لاکھ ۱۷ ہزار۔ خیرپور میں گیارہ ہزار اور کراچی میں ۶ لاکھ۔ ۵۹ ہزار سات سو مہاجرین آئے

مغربی پاکستان میں اس وقت مہاجرین کی تعداد ۸۰ لاکھ سے اوپر ہے۔

مغربی پاکستان سے ۵۵ لاکھ۔ نوے ہزار غیر مسلم بھارت چلے گئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مہاجر ۲۵ لاکھ سے زائد آئے۔ مشرقی پنجاب اور مشرقی پنجاب کی ریاستوں میں مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق ۵۹ لاکھ۔ ۳۵ ہزار مسلمان آباد تھے۔ ان میں سے ۵۱ لاکھ۔ ۹۳ ہزار مسلمان مہاجرین مغربی پنجاب میں آئے۔ ۲ لاکھ ۷۰ ہزار مسلمان اس وقت مشرقی پنجاب میں یا تو مرتد ہو چکے ہیں۔ یا مسلمان کی حیثیت سے موجود ہیں اس لحاظ سے ۴ لاکھ ۷۲ ہزار مسلمان اس علاقہ سے لاپتہ ہیں۔

مشرقی پنجاب، پیپسو، اور ہماچل پردیش میں اب بھی تین لاکھ مسلمان آباد ہیں جبر و قہر کی حالت میں مرتد ہونے والے مسلمان دوبارہ اسلام پر لائے گئے ہیں۔ یہ ۱۹۴۷ء سے پہلے کے مسلمان ہیں۔ جو اب بھی مسلمان ہیں۔ ۱۴،۴۲،۰۰۰ مشرقی پنجاب کے شہری رقبوں مشرقی پنجاب کی ریاستوں کے شہر اور دہلی شہر سے مغربی پنجاب میں آئے۔ چار لاکھ مہاجر مغربی پنجاب سے دوسرے صوبوں میں بھیجے گئے۔

[1] انگریزی ڈان۔ [2] کراچی ۲۰ مارچ ۱۹۵۳ء

ریاست بھاولپور میں ۳ لاکھ مہاجر آباد کئے گئے۔ ان میں زیادہ تر مغربی پنجاب کے مہاجر ہیں
مشرقی پاکستان میں ۳۰ لاکھ مہاجر آئے۔ جن کی حالت بہت خراب ہے۔ ان
میں ۱۳ لاکھ مہاجرین مغربی بنگال۔ آسام اور ملحقہ علاقوں کے بھی شامل ہیں۔

قیدیوں کے تبادلے

بین المملکتی معاہدوں میں ایک فیصلہ۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان قیدیوں کے
تبادلوں کے متعلق تھا۔ دسمبر ۱۹۴۸ء میں دونوں ملکوں کے قیدیوں کے تبادلے مکمل ہو
گئے۔ اس تبادلہ میں ہندوستان سے ۸۹۱ مسلمان قیدی پاکستان آئے۔ اور پاکستان
سے ایک ہزار ۱۳۱۵ غیر مسلم قیدیوں کو ہندوستان کے حوالہ کیا۔ دسمبر ۱۹۴۸ء میں
دہلی کانفرنس نے ان پاگلوں کے متعلق بھی فیصلہ کیا۔ جو پاکستان اور ہندوستان کے پاگل خانوں میں تھے۔

کراچی

۱۹۵۲ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان میں سب سے زیادہ گھنی آبادی
کا علاقہ کراچی ہے۔ جہاں فی مربع میل ۱۳۸۷ آبادی ہے۔

اپریل ۱۹۵۲ء تک کراچی کا انتظام ایڈمنسٹریٹر کے سپرد رہا۔ اس کے بعد سے اسے
چیف کمشنر کا صوبہ بنا دیا گیا۔ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء سے کراچی کا علاقہ مغربی پاکستان کی
ایک وحدت میں شامل کر دیا گیا ہے۔

مسٹر شعیب قریشی نے پارلیمنٹ میں بتلایا:-

(۱) کراچی میں اب تک تین لاکھ مہاجر غیر آباد پڑے ہیں۔

(۲) کراچی میں اب تک مہاجروں کی آباد کاری پر ایک کروڑ۔ چالیس لاکھ ۹۵ ہزار
۹۸ روپیہ کی رقم خرچ کی جاچکی ہے۔

(۳) مغربی پاکستان میں پہونچنے والے مہاجروں کے لئے نہ تو خاص انتظام کیا جاتا ہے

اور نہ کیا جا سکتا ہے۔

(۴) تقسیم کے بعد از خود کراچی آنے والے مہاجرین کی تعداد ۱/۲ ۷ لاکھ ہے۔

سندھ سندھ گورنمنٹ حیدر آباد۔ میرپور خاص اور نواب شاہ کے قریب تین نواحی بستیاں آباد کر رہی ہے۔ ان شہروں کی تعمیر کے لئے مرکزی حکومت نے تقریباً نوے لاکھ ۔ ۱۸ ہزار روپیہ منظور کیا ہے۔ حیدر آباد کے نواح میں ایک بستی لطیف آباد کے نام سے بسائی گئی ہے۔ وزیر مہاجرین مسٹر شعیب قریشی نے ۱۴ ستمبر ۵۳ء کو حیدر آباد میں ایک تقریر میں فرمایا تھا۔" کہ لطیف آباد کی بستی۔ یہ سمندر سے ایک قطرہ کے برابر کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ حیدر آباد کے فٹ پاتھوں پر اسّی ہزار مہاجرین پڑے ہوئے ہیں"۔

ریاست خیرپور ریاست خیرپور سے تقریباً ۸۴ ہزار ہندو ترک وطن کر کے ہندوستان جا چکے ہیں۔ انہوں نے تقریباً ۹۲ ہزار ایکڑ زمین اور باغات چھوڑے تھے۔ لیکن اب تک صرف دس ہزار مہاجرین کو آباد کیا گیا ہے[۱]

بلوچستان بلوچستان سے ۶۶ ہزار غیر مسلم بھارت گئے۔ کوئٹہ میں ۱۵ ہزار مہاجرین اور باقی علاقوں میں بسنے والے مہاجرین ۱۵ ہزار ہیں۔

صوبہ سرحد ۱۹۴۷ء میں دو لاکھ۔ ۹۲ ہزار غیر مسلم صوبہ سرحد سے بھارت چلے گئے[۲] صوبہ سرحد میں تجارتی کاروبار زیادہ تر غیر مسلموں کے ہاتھ میں تھا۔ تقسیم ہند کے فوراً بعد۔ (جب کہ غیر مسلموں کے چلے جانے کے بعد خلا پیدا ہو گیا تھا)۔ مقامی باشندوں کی ہمت افزائی کی گئی۔ کہ وہ ان چھوڑی ہوئی تجارتوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ یہ اس وقت کیا گیا۔ جب کہ مہاجرین صوبہ سرحد میں نہیں آتے تھے۔ اس لئے زیادہ تر متروکہ جائدادیں انہی مقامی لوگوں کو آلاٹ کر دی گئیں۔ تاکہ وہ ان تجارتوں کو چلا سکیں۔

مہاجرین ۱۹۵۰ء میں صوبہ سرحد میں آنے شروع ہوئے۔ تب یہ سوال پیدا ہوا کہ ان مقامی لوگوں کو متروکہ جائدادوں سے بے دخل کیا جائے یا نہیں۔ ۲۶ اپریل کو صوبہ سرحد کی

[۱] امروز کراچی۔ ۱۰ جون ۱۹۵۴ء [۲] ڈان۔ ۱۱ فروری ۱۹۵۴ء

مہاجرین کی کونسل میں اس پر غور کیا گیا۔ اور یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ جو مقامی لوگ یکم نومبر ۱۹۵۰ء سے پہلے متروکہ جائدادوں اور کاروبار پر قابض ہیں۔ انہیں بے دخل نہ کیا جائے ورنہ صوبہ میں ایک عام ہیجان پیدا ہونے کا خوف ہے۔

صوبہ سرحد میں زمیندار اپنی زمین کسانوں کو پٹہ پر دے دیتے ہیں۔ اور ہمیشہ مزروعہ زمین کو مسلمان کاشت کار جوتتے بوتے ہیں۔ صوبہ کے قوانین کے مطابق کوئی کاشتکار بے دخل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

صوبۂ سرحد میں تجارت و زراعت کے ذرائع ختم ہو گئے ہیں۔ اس صوبہ میں مہاجرین زیادہ تر شہروں میں آباد ہوئے ہیں۔ جو مہاجرین آباد ہو چکے ہیں۔ ان کی تعداد ۳۷،۴۹۰ ہے۔ انہیں دو ہزار (۲۰۰۰) مکانات اور ۲۳۵۹ دوکانیں دی گئی ہیں۔ جولائی ۱۹۵۴ء کے اختتام تک ۶۶۱۰۸ مہاجر صوبہ سرحد میں داخل ہوئے۔ ان میں ۴۴ ہزار دو مہاجر بھی شامل ہیں۔ جو مغربی پنجاب سے لاکر بسائے گئے ہیں"۔

پنجاب پنجاب کو لائل پور۔ ملتان۔ گجرانوالہ، سرگودھا۔ ماٹنگمری، راولپنڈی۔ لاہور اور جھنگ میں دس نواحی بستیاں آباد کرنے کے لئے تین کروڑ روپیہ دیئے گئے ہیں۔ ان شہروں میں مساجد، اسپتال۔ اسکول وغیرہ وغیرہ بھی بنائے جائیں گے۔ کل رقبہ ۱۰۶۹۸ ایکڑ ہوگا۔ اس رقبہ میں سے ۵۰ فیصدی زمین غریب مہاجروں کے لئے وقف ہے۔

مشرقی پاکستان مشرقی پاکستان کی حکومت نے چار نئی بستیاں ــ میرپور۔ نرائن گنج کالی گنج۔ اور تیج پور کے نواح میں۔ آباد کرنے کی اسکیم بنائی ہے۔

پاکستان میں مسلمانوں کی آبادی۔ حکومت پاکستان کی جانب سے شائع شدہ ایک اعلامیہ کے مطابق اگست ۱۹۵۵ء تک پاکستان میں مسلم آبادی ۸۵،۹ ہندو اعلیٰ ذات ۵،۷۔ پست اقوام ۲،۷ عیسائی ۰،۷۔ بدھ مت اور دیگر مذاہب کے پیرو ۰،۵ فیصدی ہیں۔ (روزنامہ نئی روشنی ۲۲ دسمبر ۱۹۵۵ء)

نرائن گنج کے نزدیک ایک مضافاتی شہر مکمل ہو گیا ہے۔ اور میرپور کے نزدیک ایک مضافاتی شہر بن چکا ہے۔

مہاجرین کی واپسی

چار برس میں ۵۷۹۵ ر ۲۳ مسلمان مہاجر بھارت واپس گئے۔ ۸ ر اپریل ۱۹۵۰ء کو دونوں ممالک کے وزرائے اعظم میں جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس معاہدہ کے تحت ...۱۲۵ مہاجروں نے ہندوستان واپس جانے کے لئے درخواست دی تھی۔ گزشتہ چار برسوں میں اس معاہدہ کے مطابق بھارت نے ۵۷۹۵ ر ۲۳ مہاجروں کو واپس لے لیا ہے۔

...۱۲ مہاجر (مسلمان) مغربی پاکستان سے۔ یو۔پی۔ میں واپس آگئے ہیں۔ انہوں نے بتایا۔ کہ پنجاب میں انہیں ناخواندہ مہمان سمجھا جاتا تھا۔ اور دور دراز کیمپوں میں ڈال دیا تھا۔ ان مہاجرین میں سے اکثر پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ روانگی سے تھوڑی دیر پہلے مسلم لیگی کارکنوں نے انہیں نئے کپڑے پیش کئے۔ لیکن انہوں نے چلتے وقت کی اس خیرات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔[1]

ضلع میرٹھ میں[2] ۱۳ر مارچ ۱۹۵۴ء تک پاکستان سے صرف ۱۷۸ اشخاص واپس آئے ہیں۔ جو لوگ پاکستان سے آرہے ہیں۔ ان میں ۷۵ خاندان ضلع میرٹھ کے ہیں۔ جو لوگ میرٹھ واپس آرہے ہیں۔ ان میں زیادہ تر بنکر ہیں۔ کچھ قینچی بنانے والے ہیں۔ ان کا کہنا ہے۔ کہ حکومت پاکستان ان کو آباد نہیں کر سکی۔

مسٹر جواہر[3] لال نہرو بھارتی وزیر اعظم نے پارلیمنٹ میں بتایا۔ کہ اب تک ۵۰۸۹ مسلمان مہاجر جو یو۔پی سے لغایت مئی ۱۹۵۰ء میں پاکستان چلے گئے تھے۔ اتر پردیش (اپنے وطن) میں واپس آگئے ہیں۔

پاکستان پارلیمنٹ[4] میں وزیر مہاجرین مسٹر شعیب قریشی نے یہ انکشاف کیا۔ کہ گزشتہ

---

[1] لکھنؤ ۲۰ر مارچ ۱۹۵۴ء ۔ [2] مدینہ بجنور یو۔پی۔ ۲۵ر اپریل ۱۹۵۴ء [3] نئی دہلی۔ ۳۰ر اپریل ۱۹۵۴ء
[4] انجام۔ کراچی ۔ ۲۴ر مارچ ۱۹۵۴ء ۔ کراچی ۲۲ر مارچ ۱۹۵۴ء

سال ۸ ۲ ۲ ۱۷ مہاجر واپس گئے۔ لیکن ۵ ۱۷ ۲ پھر واپس پاکستان چلے آئے۔ کیونکہ انہیں بھارت میں ان کی زمینیں واپس نہیں دی گئیں۔

اخباروں میں یہ رپورٹ[1] شائع ہوئی ہے۔ کہ چار برس میں ۲۳۵ ۹ ۴۵ مسلمان مہاجر مغربی پاکستان سے اتر پردیش (بھارت) میں واپس چلے گئے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

وزیر مہاجرین[2] مسٹر شعیب قریشی نے بتلایا۔ کہ کھوکھرا پار کی سرحد کبھی کھلی ہوئی نہیں ہے لیکن مہاجرین کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔ حالانکہ گورنمنٹ بھارت اور پاکستان کے درمیان یہ معاہدہ ہے۔ کہ خواہ کوئی ہو۔ اگر بغیر پرمٹ یا پاسپورٹ کے پاکستان میں داخل ہوگا۔ اسے بھارت کو واپس لینا ہوگا۔

نائب[3] وزیر خارجہ مسٹر۔ اے۔ کے۔ چندا نے آج لوک سبھا میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انکشاف کیا۔ کہ یو۔ پی سے جو مسلمان یکم فروری اور ۳۱ مئی ۱۹۵۰ء کے درمیان مغربی پاکستان چلے گئے ہیں۔ ان میں سے ۲۵۰۸۹ نہرو لیاقت معاہدہ کے تحت واپس آجائیں گے ان کے علاوہ قریب دس ہزار مسلمانوں کے متعلق حکومت یو پی کو ابھی تصدیق کرنا باقی ہے مسٹر چندا نے بتایا۔ کہ یہ بتانا مشکل ہے۔ کہ ابھی کتنے ایسے مسلمان پاکستان میں ہیں۔ جو قاعدہ کی رو سے ہندوستان آنے کے مستحق ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق حکومت پاکستان کو ایک فہرست تیار کرکے ہندوستان کو دینی چاہیئے تھی۔ لیکن ابھی تک یہ فہرست نہیں دی گئی ہے۔

آبادکاری

حکومت پاکستان[4] ملک میں مہاجرین کی آبادکاری پر اب تک ۳۱ کروڑ ۲۷ لاکھ (۳۱۲۶۰۰۰۰۰) روپیہ صرف کر چکی ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی حکومت نے مشرقی بنگال پنجاب اور سندھ کی حکومتوں کو ان صوبوں کی آبادکاری کے لئے ۳ کروڑ ۳۶ لاکھ کی رقم دی

---

[1] اخبار ڈان (انگریزی) ۸ راپریل ۱۹۵۴ء [2] ڈان - ۲۱ راپریل ۱۹۵۴ء [3] اخبار مدینہ بجنور یو۔ پی - ۱۳ ردسمبر ۱۹۵۴ء۔ نئی دہلی ۷ ردسمبر ۱۹۵۴ء۔ [4] ڈان - ۶ رمارچ ۱۹۵۳ء

ہے۔ گزشتہ ڈھائی سال کے عرصہ میں ۴۰ کروڑ ۷۵ لاکھ روپیہ کی رقم مہاجر ٹیکس سے وصول ہوئی ہے

پارلیمنٹ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مسٹر شعیب قریشی نے بتایا۔ کہ مرکزی حکومت ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء سے لے کر اکتوبر ۱۹۵۳ء تک صوبائی حکومتوں کو مہاجرین کی آبادکاری کے لئے دس کروڑ روپیہ دے چکی ہے جس کی تفصیل یہ ہے ۔

(۱) پنجاب — ۴ کروڑ ۷۷ لاکھ روپیہ — جس میں سے ایک کروڑ ۱۴ لاکھ روپیہ خرچ ہوچکا ہے

(۲) سندھ — ایک کروڑ ۲۵ لاکھ روپیہ — جس میں سے ۷۰ لاکھ روپیہ خرچ ہوچکا ہے۔

(۳) صوبہ سرحد — ۱۵ لاکھ روپیہ — جس میں سے ۸ لاکھ ۲۵ ہزار روپیہ خرچ ہوچکا ہے

(۴) بلوچستان — ۱۰ لاکھ روپیہ — جس میں سے ایک لاکھ ۷۴ ہزار روپیہ خرچ ہوچکا ہے

(۵) کراچی — ۳ کروڑ روپیہ — جس میں سے ۷۹ لاکھ ۸۳ ہزار روپیہ خرچ ہوچکا ہے۔

(۶) مشرقی پاکستان — ایک کروڑ ۵۰ لاکھ روپیہ — جس میں سے ایک کروڑ ۴۴ لاکھ روپیہ خرچ ہوچکا ہے

سوال یہ ہے۔ کہ باقی روپیہ کہاں گیا۔ اور مرکزی حکومت نے کیوں خاموشی اختیار کی ؟

مہاجر کاشتکار

مغربی پاکستان میں مہاجر آئے ۔ ان میں کاشتکار طبقہ کی اکثریت ہے ان کی تعداد تقریباً ۴۷ لاکھ ہے پنجاب میں ۳۹ لاکھ ۔ سندھ میں ۲۸۴,۰۰۰ ۔ بہاولپور میں ۳۱۶,۰۰۰ ۔ صوبہ سرحد میں ۱۲ ر۳۱۳ ر۱۱ کاشتکار آچکے ہیں۔ انہیں ابتدا میں عارضی الاٹمنٹ دیئے گئے تھے۔ گزارہ کا بھتّہ بھی دیا گیا تھا۔ تقاوی کا قرضہ اور دیگر آسانیاں بہم پہنچائی گئی تھیں۔ ان کاشتکاروں کی آبادکاری ۔ گزارہ اور تقاوی پر اندازاً صوبوں کی حکومتوں نے آٹھ کروڑ روپیہ سے زیادہ رقم صرف کی ہے ۔

مشرقی پاکستان میں کاشتکار مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ — مغربی پاکستان کی بہ نسبت بہت مشکل ہے ۔ کیونکہ وہاں متروکہ آراضی نہیں ہے ۔ مشرقی پاکستان میں آراضی کی بہت زیادہ قلت ہے ۔ قابل کاشت زمین کا آسانی سے ملنا بہت دقّت طلب مسئلہ ہے پاکستان

کی حکومت نے ۲۸٫۰۵۰ کاشت کار خاندانوں کی آبادکاری کے لئے مالی امداد دی ہے۔

چونکہ مسلمان کاشتکار مہاجرین کی تعداد ہندو تارکان وطن کا شتکاروں سے بہت زیادہ ہے۔ اس لئے صوبوں کی حکومتیں نئی زمینوں کو قابل کاشت بنانے کی کوشش کر رہی ہیں پنجاب کی حکومت تھل کے علاقہ میں پچاس لاکھ ایکڑ زمین کو قابل کاشت بنانے کی اسکیم جاری کر چکی ہے تھل اسکیم کے مطابق ۷ شہر اور ۹۰۰ مواضعات آباد کئے جائیں گے ۳۰۹۴۰۰۰ ایکڑ زمین باغات، فارم وغیرہ وغیرہ کے لئے علیحدہ کر دی گئی ہے۔ ۲۰۰۰۰۰۰ (بیس لاکھ) ایکڑ زمین کاشت کے لئے رکھی گئی ہے اور اب تک ۵۵۰۰۰ مہاجر آباد ہو چکے ہیں۔ یہاں الاٹمنٹ کی شرط یہ ہے۔ کہ ہر ایک کو زمین خود کاشت کرنی پڑے گی۔ ۱۵ ایکڑ فی کس کے حساب سے زمین دی جاتی ہے۔

سندھ گورنمنٹ نے بھی ایک اسکیم تیار کی ہے۔ تھرپارکر کے علاقہ سانگھڑ میں ایک لاکھ ایکڑ زمین پر ۵۰۰ خاندان آباد کئے جائیں گے۔ اور بنجر زمین قابل کاشت بنائی جائے گی۔

تقریباً ۲۱۲۰۰۰۰ (اکیس لاکھ بیس ہزار) مہاجر جو کہ شہری رقبہ میں ہیں۔ ان کی آبادکاری کا مسئلہ بہت پیچیدہ اور مشکل ہے۔ ان کی ابتدائی ضروریات یہ ہیں۔ (۱) رہنے کے لئے مکانات (۲) روزگار

رہا مکان کا مسئلہ — چونکہ مسلمان پناہ گزین کی تعداد ہندو تارکان وطن سے زیادہ ہے۔ اس لئے ایک مکان میں رہنے والوں کی تعداد خیال کی حدود سے باہر ہے۔ اس کے علاوہ کثیر تعداد میں مہاجرین، جھونپڑیوں، فٹ پاتھ، اور کھلی ہوئی جگہوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ کراچی میں خاص طور پر یہ حالت ہے۔

پاکستان میں ہندو اور سکھ اتنی جائداد چھوڑ گئے ہیں۔ کہ تمام مہاجرین آباد ہو سکتے تھے۔ لیکن ان جائدادوں پر مقامی حضرات نے قبضہ کر لیا۔ اور لالچ میں آکر بڑے بڑے لوگوں اور زاہدوں کے پاؤں پھسل گئے — (تقریر سردار عبدالرب نشتر)

"کسے علم نہیں ہے۔ کہ صوبہ سرحد میں آباد کاری اور بحالی کا کوئی کام نہیں ہوا ہے۔ سندھ میں آج بھی دو تین سال سے زرعی زمین پر آباد مہاجروں کو زمینوں سے بے دخل کیا جا رہا ہے۔ حیرت کا مقام ہے۔ کہ سندھ اور کراچی کے علاقہ میں زرعی اور شہری جائدادوں کے صحیح ریکارڈ تک نہیں۔ ایسا سمجھ لیا گیا ہے۔ کہ یہ متروکہ جائدادیں پاکستان کی دولت نہیں ہیں۔ انہیں جس طرح بھی ممکن ہو۔ برباد کیا جائے۔ اسے مہاجر دشمنی نہیں۔ بلکہ ملک و قوم سے غداری کے برابر سمجھا جانا چاہیئے۔ تقسیم ہند کے بعد سے لاکھوں ایکڑ زمین جس پر کاشت ہوتی تھی۔ غیر مزروعہ پڑی ہوئی ہے اور کاغذات میں غیر آباد دکھائی جا رہی ہے۔ تاکہ مہاجرین کو الاٹ نہ کی جا سکے"

(مسٹر احمد جعفر کا خطبہ استقبالیہ)

حکومت پاکستان کے ۵۷۹۰ اعلیٰ افسران جنہوں نے اپنے مکانات بنانے کے لئے حکومت سے قرض لیا تھا۔ شاندار کوٹھیاں بنا کر انہیں کرایہ پر چلا رہے ہیں۔ اور کم کرایہ والے سرکاری کوارٹروں میں مقیم ہیں۔ ان اعلےٰ افسران میں ایک جوائنٹ سیکریٹری۔ ۵ ڈپٹی سکریٹری اور ۷۷ ایسے افسران بھی شامل ہیں۔ جن کی ماہانہ تنخواہ تین سو سے لے کر ۱۲۵۰ روپیہ تک ہے یہ لوگ علی الاعلان حکومت سے تحریری وعدہ کرنے کے بعد فریب دہی کے مجرم پائے گئے ہیں ـــــ ان افسران سے سرکاری مکانات واپس لے گئے ہیں (جنگ ۲۷ دسمبر ۱۹۵۵ء)

دنیا کی سب سے بڑی ہجرت

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:۔

"تقسیم کے بعد جو اقلیتیں پاکستان و بھارت میں رہ جائیں گی وہ اپنے وطن کے وفادار کی حیثیت سے آئینی طور پر امن پسندانہ زندگی بسر کر سکیں گی"۔

ہر مسلمان کا یہ خیال تھا۔ کہ بھارت میں مذہب و ملت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے گا۔ اور دونوں ممالک میں اقلیت کو وہی وطنی حقوق حاصل ہوں گے جو کہ اکثریت کو حاصل ہیں۔ لیکن اس کے بالکل برعکس بھارت کے مسلمانوں کی آہ و بکا کا بیرونی دنیا تک پہونچانا ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ کیونکہ بھارت کی حکومت نے اپنے مظالم پر پردہ ڈالنے کے لئے لادینی حکومت کی فریب و ریا کاری کا ایک بڑا طلسم بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی یہ عاقبت نااندیشی اور خام خیالی تھی۔ تقسیم سے قبل بہار، کلکتہ، بمبئی، دہلی اور گڑھ مکتیشر میں جو فسادات ہو چکے تھے۔ وہ اس طرف اشارہ کر رہے تھے۔ کہ عین تقسیم کے وقت اور اس کے فوراً بعد مسلمانان ہند پر مصائب اور تباہی کے پہاڑ ٹوٹنے والے ہیں۔ لیکن ہم نے نہ تو ماضی سے کچھ سبق حاصل کیا۔ اور نہ مستقبل قریب کے آنے والے طوفان کا اندازہ کیا۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی رہنمائی پر زبردست اعتماد تھا۔ تقسیم ہند کے بعد قائداعظم اور لیاقت علی خان تو پاکستان آ گئے تھے۔ اور بھارت کے مسلمان ان دونوں قابل اور مخلص رہنماؤں کی قیادت سے محروم ہو چکے تھے۔ اب مسلم لیگ بھی ہندوستان کی طرح دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ بھارت کی مسلم لیگ۔ اور پاکستان کی مسلم لیگ دو مختلف جماعتیں بن گئی تھیں۔ بھارت کے مسلمانوں کی رہنمائی کی ذمہ داری کا بار گران اب بھارت مسلم لیگ

کے رہنماؤں کے کندھوں پر تھا. آل انڈیا مسلم لیگ کے مشہور اراکین زیادہ تر یو.پی کے تھے. بھارت کی حکومت ابتدا میں مسلمانوں پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتی تھی. اور یہ سمجھتی تھی. کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلم لیگ کی آواز پر بھارت کے مسلمان راست اقدام کا اعلان کر بیٹھیں بھارت کے مسلمان بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرتے. بس بھارت کو مسلم لیگ کے فیصلہ کا انتظار تھا. یوپی مسلم لیگ کے تقریباً تمام ذمہ دار اراکین ــــ جو کہ تقسیم سے قبل جہاد کے نعرے بلند کیا کرتے. اور اشتعال انگیز تقریروں سے مسلمانوں کے دل گرمایا کرتے تھے. بھارت کے مسلمانوں کو بے کسی کی حالت میں چھوڑ کر بڑی خاموشی کے ساتھ بھارت سے پاکستان چلے گئے. اس خبر سے مسلمانوں پر مایوسی کی بجلی گر پڑی. ہمتیں پست ہوگئیں. اور بھارتی حکومت نے مسلمانوں کی بے بسی کا صحیح اندازہ کر لیا بھارت کی حکومت نے اور حکومت کے اشارہ سے اکثریت نے تمام مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا. قتل و غارت گری، عصمت دری اور قید و بند کی مصیبتیں مسلمانوں کے لئے عام ہوگئی تھیں. ان بے پناہ مظالم سے تھک کر عام مسلمانوں نے ہجرت کا سلسلہ شروع کیا تھا.

حضرت مسیحؑ سے قبل پرانے زمانہ میں ایک مردِ حق آگاہ ــ کنفوشس“۔ ملک چین میں گزرا ہے. ایک مرتبہ وہ اپنے چند شاگردوں کے ہمراہ سفر میں تھا. ایک جنگل میں لب سڑک اس نے ایک عورت کو دردانگیز لہجہ میں گریہ وزاری کرتے دیکھا. اور ایک شاگرد کو عورت کے پاس بھیج کر رونے کا سبب دریافت کیا. عورت نے جواب دیا. کہ اس جگہ میرے خسر اور خاوند کو ایک شیر نے ہلاک کیا تھا. اور اب میرے بیٹے کو بھی ہلاک کر دیا ہے. اس پر اُس عورت سے سوال کیا گیا کہ پھر تم یہاں سے کیوں نہیں چلی جاتیں. اس نے جواب دیا ”کہ اس لئے کہ یہاں ظالم کی حکومت نہیں ہے“ یہ سنتے ہی کنفوشس نے شاگردوں سے کہا ــ صاحبزادو اس بات کو یاد رکھنا. کہ ظالم کی حکومت شیر سے بھی زیادہ خطرناک ہے“

۱ـ مورخ اسلام علامہ اکبر شاہ خان مرحوم. نجیب آبادی

بھارت کی حکومت مسلمانوں کے لئے ظالم کی حکومت بن گئی تھی۔ اور اب بھی ہے۔ اس لئے مسلمان بھارت سے پاکستان میں ہجرت کے لئے مجبور ہو گئے تھے۔ اور ہجرت کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے۔ کہ سرزمین پاکستان ان کے لئے پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ بلکہ کانٹوں کا بستر ہے۔

جب کسی سرزمین پر ظلم و ستم اپنی انتہا کو پہونچ جاتے ہیں۔ تو مظلوم تو ہیں وہاں سے ہجرت پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ ہر زمانہ کی ہجرت کی داستانیں آپ کو مقدس کتابوں اور تاریخوں میں مل سکتی ہیں۔

دنیائے اسلام میں سب سے پہلی ہجرت ۶۲۲ء میں ہمارے آقا اور ہمارے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کی تھی۔ مکہ سے جو لوگ ہجرت کر کے حضور اکرمؐ کے کے ہمراہ مدینہ گئے تھے ان کو "مہاجر" کہتے ہیں۔ یہ غریب لوگ تھے۔ اور افلاس و ناداری کے عالم میں پہونچے تھے۔ ان میں جو امیر تھے۔ وہ بھی مکہ سے چھپ کر آئے تھے۔ اور اپنے ساتھ کچھ نہ لاسکے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کو جنہیں انصار کہتے ہیں جمع کیا۔ پھر ایک مہاجر اور ایک انصار کو بلاتے اور فرماتے ـــ تم دونوں بھائی بھائی ہو۔ انصار نے مہاجروں کو لے جا کر اپنے اپنے گھر کی آدھی چیزیں بانٹ دیں۔ انصار کاشتکار تھے۔ ان کی کھیتیاں ان کے باغ تھے۔ مہاجر سوداگر تھے۔ ان کو کھیتی نہیں آتی تھی۔ انصار کھیتی کا کل کام کرتے۔ اور آدھی پیداوار اپنے مہاجر بھائی کو بانٹ دیتے۔ یہاں تک کہ بعض افراد نے جن کی دو بیویاں تھیں۔ ایک بی بی کو طلاق دیکر اپنے مہاجر بھائی سے شادی کرائی۔[1]

۱۹۲۰ء کی تحریک ترک موالات کے زمانہ میں ترک ملازمت کے ساتھ ساتھ ہجرت کا بھی اعلان کر دیا تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی یہ پہلی ہجرت تھی۔ سرحد، پنجاب اور سندھ کے مسلمانوں نے مذہبی جوش میں اپنی تمام جائدادیں معمولی قیمتوں پر فروخت کر دی تھیں۔ اور سرزمین ہند (یعنی موجودہ پاکستان) ـــ سے ہجرت کر کے افغانستان چلے گئے تھے۔ وہاں پہونچ کر ان مہاجروں کو بے انتہا تکلیفوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ کچھ تو افغانستان

[1] رہنما۔ عہدِ نبوی از احسن

ہی میں پیوند خاک ہو گئے تھے اور کچھ اپنے وطن واپس آ گئے تھے۔ ان ہجرت کرنے والوں کی تعداد تقریباً بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ یہ سب مسلمان علما کرام کے فتووں کی بنا پر ترک وطن پر آمادہ ہو گئے تھے۔ یہ جبریہ ہجرت پر مجبور نہیں کئے گئے تھے

۱۹۴۸ء میں عربوں اور یہودیوں کے تنازعہ میں پانچ لاکھ سے زیادہ مرد۔ عورتیں اور بچے خانماں برباد کر دیئے گئے تھے۔ یہ مہاجر شرق اردن کے دارالحکومت عمان کے باہر خیمہ زن ہیں۔ انہیں یہودیوں نے ان کے گھروں سے نکال دیا ہے۔ تقریباً سات سال گزرنے کے بعد بھی ان کی وہی حالت ہے۔ ان کے کپڑے بوسیدہ ہو کر پھٹ گئے ہیں۔ جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے ہیں یہودیوں نے ان کے مکانوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ بنکوں میں ان کی رقمیں ضبط کر لی گئی ہیں اس جنگ میں یہودی ایک طرف ہیں۔ اور سارے عرب ایک طرف اس یہودی سلطنت کو مسلمانوں میں سب سے اول ترکی حکومت نے تسلیم کیا۔ اور رابطۂ اتحاد بڑھایا۔ دوسری اسلامی سلطنت افغانستان کی ہے جس نے یہودیوں سے اظہار دوستی کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ پاکستان ابھی تک اس گمراہی اور لعنت سے بچا ہوا ہے[۲]

برصغیر ہندوستان کی تقسیم سے لے کر اب تک تقریباً ایک کروڑ سے زیادہ مہاجر بھارت سے پاکستان میں آ چکے ہیں۔ اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ تاریخ عالم میں یہ سب سے بڑی ہجرت ہے۔ پاکستان ایک نوزائیدہ ملک ہے۔ اور اس بے سروسامانی میں اتنا بڑا بار برداشت کرنا آسان کام نہیں۔ لیکن اللہ اور اخوت اسلامی کے بھروسہ پر یہ ایک بے حقیقت بات ہے اگر پاکستان میں اخوت اسلامی کی بنیادوں پر مہاجرین مکہ کی طرح سلوک

---

۲ (۱) حکومت پاکستان نے فلسطین ریلیف کے اتحادی ڈائریکٹر کو سات لاکھ ۴۶ ہزار چھ سو کی رقم اور فلسطین کے مہاجرین کی امداد کیلئے اقوام متحدہ کی کمیٹی کو تین لاکھ روپیہ کی قیمت کا گیہوں بھی روانہ کیا ہے (۲) حکومت پاکستان نے اردن کے قبیہ گاؤں کو جسے حال ہی میں اسرائیلی فوجوں نے تباہ کر دیا تھا۔ دوبارہ آباد کرانے کے لئے پچاس ہزار روپیہ چندہ دینے کا فیصلہ کیا ہے
۱۴ جنوری ۱۹۵۴ء انجام کراچی

کیا جاتا تو اب تک کبھی کا یہ مشکل مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔ مہاجرین کے سلسلہ میں آج کل ہر بوالہوس ناصح مشفق کا پارٹ ادا کر رہا ہے۔

آتے ہیں عیادت کو تو کرتے ہیں نصیحت
احباب سے غمخوار ہوا بھی نہیں جاتا (فانی)

آج تمام دنیا کے مسلمانوں کی تعداد ۸۰ کروڑ سے زیادہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ملحد۔ بدکار اور رند مسلمانوں کی کثرت ہے۔ لیکن یہ بھی ماننا پڑے گا کہ شب زندہ دار، تہجد گزار، نمازی اور متقی مسلمانوں کی کمی نہیں لیکن پھر بھی مسلمان ذلیل و خوار ہیں۔ تباہ و برباد ہیں۔ مسلمانوں میں ایک کہرام مچا ہوا ہے — حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی ذلت و بربادی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے۔ کہ انہوں نے اخوت اسلامی کے زریں اصولوں کو پس پشت ڈال دیا ہے

بھارت کے باشندوں اور وہاں کی حکومت کو دیکھ لیجیئے۔ انہیں آپ اصنام پرست اور کافر کہتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے دشمن بھی ہیں۔ لیکن ان بت پرستوں نے اخوت اسلامی کے اصولوں کو اپنا لیا ہے۔ بھارت کے شاذو نادر مقامی ہندوؤں نے پاکستان جانے والے مسلمانوں کی متروکہ جائدادوں پر قبضہ کیا ہے۔ اس کے برخلاف پاکستان میں پچاس فیصدی مسلمانوں نے بڑے بڑے کارخانوں، جائدادوں اور زمینوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ سندھ میں حکومت کو یہ چاہیئے تھا۔ کہ وہ مقامی جاگیرداروں اور وڈیروں (زمینداروں) کی ضرورت سے زائد اراضی کو لے کر ہاریوں اور مہاجروں میں تقسیم کر دیتی تو اب تک ہاریوں اور مہاجروں کی تمام پریشانیاں دور ہو چکی ہوتیں۔ اس کے برعکس پچاس فیصدی ہندوؤں کی متروکہ جائدادیں مقامی سرمایہ داروں اور غیر متعلق لوگوں کو دے دی گئی ہیں — بھارت کی حکومت[1] اپنے یہاں شرنارتھیوں کی آبادکاری اور روزگار کے مسئلہ کو حل کر چکی ہے لیکن ہمارے یہاں ابھی تک منصوبے تیار ہو رہے ہیں۔

کارِ کافر۔ فکر و تدبیر جہاد
کارِ ملا فی سبیل اللہ فساد (اقبال)

[1] ہندوستان کی حکومت مغربی پاکستان سے آنے والے پناہ گزینوں کی آبادکاری اور امداد پر اب تک تقریباً ایک ارب ۴۵ کروڑ روپیہ صرف کر چکی ہے۔ اس میں ۹ کروڑ کی وہ رقم بھی شامل ہے جو کہ مکانوں کی تعمیر پر صرف کی گئی ہے۔

بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا ـــ "پاکستان خواہ دیوالیہ ہو جائے۔ ایک ایک مہاجر کو آباد کیا جائے گا"

۶ سال کے بعد گورنر جنرل مسٹر غلام محمد اور وزیر اعظم پاکستان مسٹر محمد علی (بنگالی) کے ارشادات بھی سن لیجیئے:۔

یہ بات بالکل[1] واضح ہے۔ کہ حکومت مہاجرین کی مکمل آباد کاری کا کام اپنے ذمہ نہیں لے سکتی (گورنر جنرل کا ارشاد) ...... وزیر اعظم کا ارشاد ـــ "مجھے خوشی ہے۔ کہ لوگوں نے بے کس اور بے گھر مہاجرین کے لئے مکانات فراہم کرنے کی اس اسکیم میں دلچسپی لی۔ لیکن ہمیں توقع کے مطابق کامیابی حاصل نہیں ہوئی ـــ ہر کام کی تمام تر ذمہ داری صرف حکومت ہی پر عائد نہیں ہوتی۔ عوام کو بھی اپنے مجبور اور مستحق بھائیوں کی آباد کاری میں امداد کرنی چاہیئے"۔

ان تینوں محترم ہستیوں کے ارشادات میں کتنا بڑا فرق محسوس ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قائداعظم کے سینہ میں مجاہدانہ جوش عمل اور فولادی عزم کے سینکڑوں جذبات تڑپ رہے ہیں۔ اور ان کے بیان کا مفہوم یہ ہے:۔

"جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑونگا"۔

گورنر جنرل اور وزیر اعظم کی تقریریں بھی اچھے خیالات سے لبریز ہیں۔ خلوص و ہمدردی کے جذبات بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ تقریریں ان امنگوں اور ولولوں سے یکسر خالی ہیں۔ جو کہ ایک نئی اور زندہ قوم کے رہنماؤں میں ہونے چاہیئے تھے۔

حصول آزادی سے پہلے۔ بدحالی کی ذمہ داری برٹش حکومت پر تھی۔ لیکن اب آزادی کی منزل مقصود پر پہونچ کر ہمارا معیار زندگی بہت زیادہ پست ہو گیا ہے ـــ ایک جھونپڑی جس میں دو تین افراد بھی بمشکل گزارہ کر سکیں۔ آٹھ آٹھ، دس دس افراد کی رہائش کے لئے کس طرح کافی ہو سکتی ہے۔ لالو کھیت میں جو کوٹھریاں مہاجرین کو آلاٹ کی گئی ہیں۔ ان کا رقبہ ۲۲ فٹ سے

---

[1] یہ دونوں تقریریں ڈرگ روڈ کالونی کے کوارٹروں کے افتتاح کے موقع پر کی گئی ہیں (۲۸ دسمبر۔ انجام کراچی۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۵۳ء)

[2] العلم کراچی۔ جنوری ۱۹۵۲ء)

زیادہ نہیں۔ اور ستم ظریفی یہ ہے۔ کہ ان علاقوں میں روشنی اور صفائی کا کوئی انتظام نہیں۔ جس کی وجہ سے بوڑھوں، بچوں اور آنکھوں سے معذور لوگوں کے لئے کچے کنوؤں اور گندے پانی کے گڑھوں میں گرنے کے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں — مہاجرین کی یہ بستیاں کیا ہیں۔؟ کراچی کے خوبصورت جسم پر گندا پھوڑا ہو کر رہ گئی ہیں۔ کوڑے اور گندگی کے انبار دامنوں میں سکڑے ہوئے سینے۔ بے رونق چہرے، کھال اور ہڈیوں کے ڈھانچے چیتھڑوں میں ملبوس انسان نما حیوان، عورتیں بچے۔ مرد۔ کچھ ان میں تندرست، بقیہ سب کے سب کسی نہ کسی متعدی مرض میں مبتلا۔ سینکڑوں نابینا کشتیٔ حیات کو لاٹھی کے بل پر کھیتے ہوئے نظر آئیں گے

" بعض مہاجر[۱] بستیوں میں دفعہ ۱۴۴ کے تحت۔ جھونپڑیوں کی مرمت کرنے کی پاداش میں مہاجرین پر جرمانے کیے گئے۔"

پاکستان پارلیمنٹ[۲] میں وزیر خوراک پیرزادہ عبدالستار نے بتایا۔ کہ مغربی پاکستان میں ایک کروڑ ۹۰ لاکھ ایکڑ اور مشرقی پاکستان میں ۴۵ لاکھ ایکڑ قابل کاشت زمین آبپاشی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بے کار پڑی ہوئی ہے۔ کئی اسکیمیں زیر غور ہیں۔

اقوام متحدہ کی سلامتی[۳] کونسل نے ۲۷ جون ۱۹۵۰ء کو ایک تجویز پاس کی تھی۔ پاکستان نے اس تجویز کے مطابق متحدہ اقوام کی خدمت میں کوریا کی امداد کے لئے پانچ ہزار ٹن گیہوں پیش کیا

پاکستان نے دولت[۴] مشترکہ کے دیگر ممالک کے ساتھ مل کر برما کو پانچ لاکھ پونڈ کا قرضہ دینا منظور کیا۔ تاکہ برما اپنی مالی حالت بہتر بنا سکے۔

پاکستان[۵] کی حکومت نے ملکۂ ایلزبتھ (ملکۂ انگلستان) کے جشن تاجپوشی پر پاکستانی فوج کا دستہ معہ فوجی بینڈ کے بغرض شرکت جشن تاجپوشی لندن بھیجا تھا۔ اس پر ۴ لاکھ سے زیادہ خرچ ہوا ہوگا۔ یہ رقم اس رقم کے علاوہ ہے۔ جو کہ وزیر اعظم اور افسران کے سفر لندن پر صرف ہوئی۔

---

[۱] العلم۔ جنوری ۱۹۵۲ء [۲] ۲۶ مارچ ۱۹۵۳ء [۳] پاکستان۔ آج اور کل۔ ۱۴ اگست ۱۹۵۱ء
[۴] پاکستان آج اور کل صفحہ ۱۵۔ [۵] ایوننگ ٹائمز ۲۸ مارچ ۱۹۵۳ء۔ تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ۔

یہ بات سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارا ملک دیوالیہ ہوگیا ہے۔ آمدنی گھٹ رہی ہے ٹیکس بڑھ رہے ہیں۔ گورنمنٹ کے محکموں میں تخفیف کی جارہی ہے اور ہمیں نازک حالات سے مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے ــــ اگر جشن تاجپوشی میں شرکت لابدی تھی ــ لیکن ہم ایسا نہیں سمجھتے ــــ تو گورنمنٹ دو تین آدمیوں کو بطور نمائندہ بھیج دیتی۔"[1]

بحث پر بجٹ کے دوران مسٹر دھریندر ناتھ دتا نے کہا کہ گورنمنٹ نے غیر ضروری چیزوں پر روپیہ صرف کیا۔ ڈھاکہ میں ۹۴ لاکھ روپیہ سے ایک ہوٹل تعمیر کیا۔

پاکستان پارلیمنٹ میں سردار[1] امیر اعظم نے کہا کہ ایک افسر نے اپنے بنگلہ کی آرائش پر ایک لاکھ ۴۷ ہزار روپیہ خرچ کرائے ہیں۔

محترم مدیر ڈان[2] کراچی نے قائداعظم کے مقبرہ کی تعمیر پر ایک اداریہ تحریر کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ گورنمنٹ پاکستان۔ ایک ایسے بیمار فرد کے علاج پر ــ جس کا عظیم ترین رہنما۔ محمد علی جناح سے کوئی تقابل ہی نہیں کیا جا سکتا ــــ کم و بیش بیس لاکھ روپیہ خرچ کر سکتی ہے"

پاکستان پارلیمنٹ میں میاں افتخار الدین نے فرمایا[3] ــ کہ چین میں میں نے ایک بند دیکھا جس سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی ہے۔ یہ بند ۷۵ روز میں تیس لاکھ آدمیوں نے بنایا تھا۔ اگر حکومت ذرا بھی تدبر سے کام لیتی تو لاکھوں مہاجرین جو مصائب کا شکار ہو رہے ہیں۔ بند اور نہروں کی تعمیر پر لگا سکتی تھی۔ اور گزشتہ دو سال میں لاکھوں ایکڑ زمین زیر کاشت لا سکتی تھی۔

"سوویٹ روس[4] نے تعمیر کے سہ سالانہ منصوبہ کو صرف دو سال میں اختتام کو پہونچایا۔ ہٹلری حملوں نے وہاں کی عمارتوں کو اس قدر شدید نقصان پہونچایا تھا۔ کہ درجنوں شہر اور ہزاروں گاؤں کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے تھے۔ دو کروڑ اور پچاس لاکھ عوام بے خانماں ہو گئے۔ ایک کروڑ ۶۰ لاکھ مربع میٹر سے زیادہ رقبہ کے رہائشی مکانات تعمیر کر کے تمام بے گھروں کو اس میں بسا دیا گیا"

۱۔ انجام ۳۰ مارچ ۱۹۵۳ء ۲۔ ڈان کراچی ۲۵ دسمبر ۱۹۵۵ء و انجام کراچی ۱۹ دسمبر ۱۹۵۵ء
۳۔ ۲۰ مارچ ۱۹۵۳ء۔ امروز کراچی۔ ۴۔ سید انیس بریلوی۔ العلم جنوری ۱۹۵۲ء۔

پاکستان[1] میں آج کل آبادکاری کا مفہوم غلطی سے صرف لامکانی کا انسداد سمجھا جاتا ہے حالانکہ آبادکاری اور لامکانی میں فرق ہے۔ کیونکہ مکان مل جانے سے کوئی شخص یا طبقہ آباد نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس شخص یا طبقہ کی معاشی اور معیشی ضروریات کی بھی تکمیل نہ کی جائے۔ افلاس اور بے روزگاری کے دور میں مبتلا افراد کے لئے مکان ایسی قبریں کہلائی جا سکتی ہیں۔ جن پر "زندہ درگور" کی مثال صادق آسکتی ہو۔

حیدرآباد (سندھ) میں مسٹر غلام محمد گورنر جنرل پاکستان نے اپنی تقریر میں یہ کہہ کر صحیح ترجمانی کی ہے:۔

"جب تک[2] مہاجرین کے لئے سودمند روزگار کے مواقع پیدا نہ کئے جائیں۔ ان کی آبادکاری مکمل نہیں ہو سکتی ہے"

پاکستان میں مہاجرین کی آبادکاری نے ایک عجیب صورت اختیار کر لی ہے:۔

قائد اعظم ریلیف[3] فنڈ موجود ہے۔ وزیر اعظم مہاجر فنڈ قائم ہے۔ پاکستان میں کچھ عرصہ تک مہاجر ٹیکس بھی عائد رہا۔ مہاجروں کے لئے غیر ملکی سفارت خانوں نے عطیات دیئے ہیں ۔ کہیں مہاجرین کی امداد کے لئے رقص و سرور کی محفلیں[4] گرم ہیں۔ کہیں کھیل کود کے اجتماع کئے جا رہے ہیں۔۔ ارباب اقتدار مہاجروں کے غم میں مریض ناتواں بن گئے ہیں۔ بیچارے پریشان ہیں۔ لیکن ساحل آج نظر آتا ہے نہ کل۔

ا انجام کراچی ۲؍۱۹۵۲ء ۔ ۲ نئی روشنی ۱۸ جولائی ۱۹۵۳ء ۳ انجام کراچی ۲؍۱۹۵۲ء ۴ مقاصد کراچی ۱۹۵۳ء

اسلامی نظام حکومت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تمام دنیا میں قیصر و کسریٰ کا نظام جاری تھا۔ اس میں ایک فرد واحد تمام جمہور کی موت و زیست کا آمر ہوتا تھا۔

ایں خدا۔ نانے دہد۔ جانے برد آں خدا جانے دہد۔ نانے دہد

(اقبال)

(۱) سرمایہ دارانہ نظام اور سامراجی نظام:- اس کی بنیاد محض دوسروں کی لوٹ کھسوٹ پر ہے۔ اس میں چند افراد، دولت و اقتدار کے مالک ہوتے ہیں۔ اور عوام مفلسی، تباہی و غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور کئے جاتے ہیں۔ اس میں رنگ و نسل کا امتیاز غالب رہتا ہے مذہب کے نام پر تمام ظلم و ستم اور جرائم جائز سمجھے جاتے ہیں۔

(۲) مغرب کا جمہوری نظام:- "جمہوریت اس طرز حکومت کا نام ہے۔ جو عوام کے نمائندوں کی قیادت میں عوام کی فلاح و بہبود کے لئے قائم کی جائے"۔ (ابراہیم لنکن)

سرمایہ دار ملکوں میں یہی جمہوریت اور شہری آزادی نہیں ہوتی ہے۔ بحران کے وقت جمہوریت کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔

مادی ترقی اور معاشی تنظیم کا نام جمہوری نظام ہے۔ جسے مغرب نے اختیار کر رکھا ہے۔ مغربی جمہوری نظام اور اسلامی جمہوری نظام میں بہت فرق ہے۔ مغربی جمہوری نظام میں کھوکھلے تمدن کی اشاعت کی جاتی ہے۔ جو کہ انسانیت کے لئے ایک روگ ہے۔

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری (اقبالؔ)

ظاہر ہے۔ کہ یہ نظام دلکش معلوم ہوتا ہے لیکن باطن میں خالص جمہوری خوبیاں سب کر لی

گئی ہیں۔ اس میں ہر آوارگی اور بد اخلاقی کا جواز تلاش کر لیا گیا ہے۔

"جو گنہ بھی کرو۔ ثواب ہے آج"

(۳) فاسطیت اور نازیت کا فلسفہ سخت گیری کے ساتھ قومیت ہے۔ فاسطیت اور نازیت کا فلسفہ اشتمالیت اور جمہوریت دونوں کا حریف ہے۔ ان کا سیاسی نظام آمریت ہے۔

(۴) روسی انقلاب یا اشتراکی نظام ۔ یہ مذہب نہیں ہے بلکہ مادی و اقتصادی انقلاب ہے۔ اس سے مذہب اور خدا دونوں خارج کر دیئے گئے ہیں۔ اشتراکیت کا اولین اصول مذہب کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ اس میں مذہب کو افیون کی خوراک سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اشتراکیت ذاتی اور انفرادی ملکیت کو تسلیم نہیں کرتی ہے۔ اشتراکیت کا تقاضا ہے۔ کہ تمام انسانوں کی دولت اور ان کی محنتوں کا حاصل عوام کی ملکیت قرار دے دیا جائے۔ ان کا خیال یہ ہے۔ کہ ملک کی اقتصادی دولت پر اہل ملک کا یکساں استحقاق ہے۔ اس لئے شخصی ملکیت جو ترجیحی حقوق پیدا کرتی ہے۔ یک لخت مٹ جانی چاہیئے۔ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق سامان بہم پہونچانا چاہیئے۔ پس انداز شدہ منافع و سرمایا قومی امانت تصور ہو۔ اور حسب ضرورت قومی ضروریات پر صرف ہو۔ طبقہ وارانہ جنگ ان کا سب سے بڑا اسلحہ ہے۔ کیمونسٹ۔ ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ کے خلاف اکسا کر تشدد پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ توڑ پھوڑ کی پالیسی سے ملک میں انتشار پھیلانا اور تشدد سے کام لینا ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

اس نظام میں خوش حالی کی زندگی گزارنے میں مزدور کا نمبر اول ہے اور کسان کا نمبر دوم ہے۔ لیکن روحانی اور باطنی قوتوں کی بیداری کے تمام ذرائع ختم کر دیئے گئے ہیں۔

(۵) اسلام کا جمہوری نظام :۔

(۱) اسلام میں ہر شخص اپنی کسب کردہ حالت کا مالک ہے۔ البتہ قوم و ملت کے نادار اور مفلس طبقہ کے حقوق اس پر عائد ہوتے ہیں۔ جو بہ صورت زکوٰۃ۔ صدقہ۔ فطرہ وغیرہ ادا کرنے چاہئیں ۔ اگر سال کے آخر میں سرمایہ کی شکل میں کچھ باقی رہ جائے۔ تو اس میں سے چالیسواں حصہ اسلام نے ناداروں

کے لئے مقرر کیا ہے۔

(۲) قانون وراثت کے ذریعہ انفرادی سرمایہ کو مختلف افراد میں تقسیم کر کے سرمایہ داری کی بنیاد اسلام نے ختم کر دی ہے۔

(۳) اسلام نے بیت المال کا نظام قائم کرنے کی تاکید کی ہے۔ اس کی موجودگی میں بے روزگاری اور اس کے پیدا کردہ جرائم خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

(۴) نظام سرمایہ داری کی بنیاد سود کے کاروبار پر قائم ہے۔ اسلام سودی لین دین کو منع کرتا ہے

(۵) اسلام میں ہر وہ تجارت جس کی بنیاد، جوا، سٹہ بازی، یا کسی اور بداخلاقی پر ہو۔ ممنوع ہے۔

(۶) قرآن پاک میں تجوریوں میں روپیہ مقفل رکھنے والوں کے لئے بدیں الفاظ تنبیہ کی گئی ہے۔ (ترجمہ) جو لوگ چاندی، سونا، اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے۔ تو ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کی خوش خبری سنادو۔

(۷) اسلامی نظام میں تمام انسان برابر ہیں۔ رنگ نسل خون۔ قومیت اور وطنیت کا فرق انسانیت کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ اسلامی نظام میں نسلی تفوق اور خاندانی بزرگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

(۸) اسلام انسان کی نفسی و ذہنی۔ زندگی کو بالکل بدل دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے عالمگیر انقلاب کے سب سے بڑے داعی تھے۔ اور قرآن کا مقصد ایک عالمگیر انقلاب برپا کرنا ہے۔ اسلام میں دنیا اور عقبےٰ دونوں کے لئے گنجائش ہے۔ اسلام رہبانیت یا کلیسائی سیادت کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔

(۹) اسلام میں حاکمیت۔ رب العالمین کے لئے مخصوص ہے۔ انسان نہ کسی پر حاکم ہے اور نہ کسی کا محکوم۔ اسلام میں زمین خدا کی ملکیت ہے۔ انسان زمین پر خدا کا نائب ہے۔ سلطنت عطیۂ الٰہی ہے — خدا نے اختیارات سوائے جمہور کے کسی اور کو تفویض نہیں کئے ہیں۔ خدائی قوانین تمام بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود کے ضامن ہیں۔ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ خدا

کے قانون کو زمین پر جاری کرے۔

(۱۰) ہر مسلمان کا اس پر ایمان ہے کہ کلام اللہ اور اسوۂ رسول ہی اس کے روحانی فیضان کے بنیادی سرچشمے ہیں۔

(۱۱) اللہ پر ایمان لانا۔ اسلام کی پہلی تعلیم ہے۔ یہ انسانیت کے لئے ایک بلند اور اعلےٰ نصب العین ہے۔ اور اس مادی دنیا میں اس سے اعلیٰ وارفع تصور ممکن نہیں

(۱۲) اللہ۔ تمام کائنات کا رب ہے۔ الحمد اللہ رب العلمین۔ اس کی نعمتیں تمام بندوں کے لئے عام ہیں

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب   گبرو ترسا وظیفہ خور داری

پاکستان کا تخیل

مسلمانوں نے ایک ہزار برس تک ہندوستان پر حکومت کی۔ لیکن یہاں اسلامی حکومت کبھی قائم نہیں ہوئی۔ اور نہ یہاں خالص اسلامی تہذیب وجود میں آئی یہاں صرف مسلمان بادشاہوں کی حکومت قائم رہی۔ اس لئے ہندوستان کے باشندے مسلمانوں کی حکومت کو شخصی آمریت یا خاندانی بادشاہت سمجھتے رہے۔ علمائے کرام اور خاص طور پر صوفیائے عظام کے اعلےٰ کردار تزکیۂ نفس اور سرفروشانہ جدوجہد سے اسلامی تعلیم کی تبلیغ و اشاعت ہوتی رہی۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس بر اعظم بھارت و پاکستان میں دس کروڑ سے زیادہ اسلام کے نام لیوا موجود ہیں۔

انگریزوں نے جب سلطنت مغلیہ کو تباہ و برباد کر کے اپنا اقتدار قائم کیا۔ تو مسلمانوں کے دلوں میں حکومت الٰہیہ کا ایک طوفان موجیں مارنے لگا تھا۔ اور انگریزوں کے بے پناہ مظالم سے مسلمانوں کے خوابیدہ جذبات بیدار ہونے لگے تھے

تو نے وہ ٹھوکر لگائی۔ چشم ملت کھل گئی

۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں نے مسلمانوں پر بے انتہا مظالم ڈھائے۔ ہزاروں بے گناہ مسلمان تختۂ دار پر لٹکا دیئے گئے تھے۔ سینکڑوں عالم صوفی اور مجاہد جزائر انڈمان میں نظر بند کر دیئے گئے تھے۔ اور قید و بند کی ناقابل برداشت سختیوں کی وجہ سے وہیں پیوند خاک بھی ہو گئے حالانکہ انگریزوں کے مظالم اور خوف و ہراس کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات کی اوپری سطح ساکت و صامت تھی۔ لیکن اندرون دل میں آتش فشاں پہاڑ چھپے ہوئے تھے جو مناسب وقت و زمانہ میں پھٹنے کے لئے منتظر تھے۔

تحریک خلافت کے زمانہ میں علی برادروں (محمد علی و شوکت علی)، مولانا حسرت موہانی،

مولانا محمود حسین رح اور دوسرے مجاہدین ملت نے نہ مٹنے والی قربانیاں پیش کی تھیں۔ تحریک خلافت کے سلسلہ میں تقریباً ۳۴ سال پیشتر اسی کراچی میں۔ (جو کہ اب پاکستان کا دارالسلطنت ہے) انگریز حاکموں نے بغاوت کے الزام میں رئیس الاحرار مجاہد ملت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو دو سال قید بامشقت کی سزا دی تھی ۔۔۔۔ یہ وہی مولانا محمد علی ہیں۔ جن کی موت پر حضرت علامہ اقبال نے یہ الہامی شعر ارشاد فرمایا تھا۔

خاکِ قدس اورا بہ آغوشِ تمنا در گرفت
سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گزشت

زمانے کے تغیرات دیکھئے۔ کہ اسی کراچی میں ۲۷ دسمبر ۱۹۵۲ء کو قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے جشن ولادت پر کی گئی یادگار میں گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد نے اپنی تقریر میں یہ فقرہ بھی کہا تھا "جیل خانے جانا۔ یا آزادی کے لئے جنگ کرنا آسان ہے لیکن حکومت کو چلانا مشکل ہے"

قائد اعظم کی غیر فانی جدوجہد اور مسلمانان ہند کی بے مثال تنظیم و ایثار سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک نئی مملکت "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے نام سے قائم ہوئی۔ موجودہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا صحیح تصور سب سے پہلے قائد اعظم محمد علی جناح نے پیش کیا آپ نے تاریخ کو اپنی قوت ارادی کے ذریعہ سے اپنے ہی تصورات کے سانچے میں ڈھال لیا

۱۹۴۷ء سے دس سال پہلے مخالفین پاکستان کے خیال میں یہ بات ناممکن تھی۔ قائد اعظم نے مسلمانوں کو یقین کامل۔ اتحاد اور نظم و نسق کا سبق سکھایا۔ تاکہ ملت اسلامی کو متحد و آزاد کیا جائے اور اسلامی تمدن و ثقافت کو ترقی دے کر ایک مثالی دولت مشترکہ قائم کی جائے۔ قائد اعظم کو اللہ تعالیٰ پر۔ اپنی ملت پر اور اپنے آپ پر اعتماد تھا۔

۱؎ امروز کراچی ۲۷ دسمبر ۱۹۵۲ء

پاکستان حضرت قائداعظم کے عزم صمیم اور بے مثال تدبر سے عالم وجود میں آیا پاکستان ۱۹۴۷ء سے قبل کے مسلم لیگ کے شیدائیوں اور مجاہدوں کے ایثار، جدوجہد اور قربانی سے قائم ہوا۔ وہ ہستیاں جنہوں نے پاکستان کو تعمیر کیا - ان میں سے کچھ نے تو خاک وخون میں تڑپ کر اپنی جانیں دے دیں۔ کچھ بھارت میں مایوسی و ناکامی اور ذلت وخواری کے ساتھ زندہ ہیں - اور کچھ پاکستان میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اپنی زندگیاں گزار رہی ہیں

"ہو گئے تجھ پہ فدا۔ روز فنا سے پہلے"

پاکستان کس طرح عالم وجود میں آیا

دنیا میں عام قاعدہ یہ ہے کہ صرف حصول آزادی سے قبل قوموں کو قربانیاں دینی پڑتی ہیں لیکن پاکستان کی تاریخ اس سے بالکل متضاد ہے۔ آزادی سے قبل بھی اقلیتی صوبوں کے لاتعداد مسلمانوں کو وحشت انگیز مصائب سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اور حصول آزادی کے بعد بھی اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو لرزہ خیز ہلاکت و بربادی سے گزرنا پڑا۔ اور آٹھ سال کی مدت گزرنے کے بعد بھی اقلیتی صوبوں کا مسلمان گردش ایام کی ٹھوکروں کا نشانہ بنا ہوا ہے۔

۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کو انگریزوں نے مرکز ہند میں عبوری حکومت کا نظم و نسق کانگریس کو سپرد کر دیا۔ اس کے خلاف مسلم لیگ کی زیر ہدایت مسلمانوں نے تمام ہندوستان میں یوم ماتم منایا۔ بمبئی میں [illegible]ؤں نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنی شروع کر دی۔ اور بے شمار مسلمانوں کو موت کی آغوش میں سلا دیا۔

۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو وائسرائے کی مسلم آزار روش کے خلاف مسلم لیگ نے "یوم عمل" منایا۔ کلکتہ میں اس روز ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہولناک فساد ہو گیا۔ جس میں ہزاروں مسلمان شہید کر دیئے گئے۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو چھپرا میں فساد ہوا۔ بہار کے وزیر اعظم مسٹر سنہا کے اس اعلان سے ہندو آپے سے باہر ہو گئے کہ بہار کی ہندو حکومت فسادیوں کو پہلی بدیشی سرکار کی طرح گولیوں کا نشانہ نہیں بنا سکتی۔ ہندوؤں نے بہار کے سارے صوبہ میں صرف ۱۴ فیصدی مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔

نومبر ۱۹۴۶ء میں یو۔ پی کے مقام گڑھ مکتیشر میں مسلمانوں کو بہت ہی بے دردی سے قتل کیا۔ غازی آباد، کانپور، بنارس، صوبجات متوسط (سی۔ پی) میں خون ریز اور ہولناک فسادات ہوئے لاکھوں مسلمان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے کروڑوں روپیہ کی جائدادیں لوٹ لی گئیں

حصول آزادی کے فوراً ہی بعد اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو اپنے عزیزوں، عورتوں، بچوں اور کی لاشوں پر سے گزرنا پڑا۔

کل پاکستان مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ میں جو کہ ڈھاکہ میں منعقد ہوا تھا۔ سردار عبدالرب نشتر (وزیر صنعت پاکستان) نے فرمایا۔ کہ پاکستان عظیم الشان قربانیوں کے بعد عالم وجود میں آیا ہے۔ اس کے حاصل کرنے میں ۵ لاکھ سے دس لاکھ تک مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا ہے۔ نوے ہزار مسلمان عورتوں کو ہندو، سکھ زبردستی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ ۸۰ لاکھ مسلمان خانہ برباد کر دیئے گئے ہیں۔ اور اب بھی بھارت کے تین کروڑ مسلمانوں کے سروں پر جور و ستم کی تلوار لٹک رہی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جنگ بدر میں صرف ۳۱۳ مسلمانوں نے ہزاروں دشمنوں پر فتح حاصل کی تھی۔

ڈاکٹر مشتاق احمد گورمانی وزیر داخلہ پاکستان نے اپنی تقریر میں فرمایا۔ کہ تقسیم ہندوستان کے وقت ۸۰ لاکھ مہاجر اور چند ریل کے ڈبے جو کہ شہدا کی لاشوں اور زخمیوں سے بھرے ہوئے تھے پاکستان کے حصے میں آئے۔

باشندگان کراچی نے حضرت قائد ملت لیاقت علی خان کی شہادت پر تعزیت کے لئے ایک جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسہ میں مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی۔ (مرحوم) — سابق گورنر مشرقی پاکستان نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا تھا۔ کشمیر سے زیادہ اہم مسئلہ بھارت کے ۴ کروڑ مسلمانوں کی حفاظت کا مسئلہ ہے۔ اگر پاکستان نے کوشش نہ کی تو بھارت کے مسلمانوں کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ ان کو بچانے کی کوشش ہونی چاہیئے۔ مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی عالمگیر اخوت اسلامی کے زبردست حامی اور مبلغ تھے۔ آپ نے اپنی تقریر میں آخری جملہ یہ ارشاد فرمایا۔ برصغیر کے مسلمانوں کی کسی مصیبت میں اسلامی ممالک نے مدد نہ کی — یہ جملہ کس قدر درد اور مایوسی سے لبریز ہے —

میں ہوں میں اپنی شکست کی آواز

عا ڈھاکہ۔ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۱ء عا کراچی ۴ر نومبر ۱۹۵۱ء

ہمارے گمراہ بھائی

"غیر منقسم ہندوستان کے مسلمان جب اپنی آزادی کے لئے جنگ کر رہے تھے تو مشرق وسطےٰ کے — ہمارے عرب بھائی — ہمارے ساتھ کسی طرح کی ہمدردی کا اظہار نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ اکثر ہمارے مخالف تھے — پاکستان بننے کے بعد۔ پاکستان کی حکومت پاکستانی عوام اور پاکستانی اخبارات نے — عربوں کے رویہ کے بالکل متضاد — عربوں کی جدوجہد اور ان کے مفاد کی موقع بے موقع ہر طرح امداد کی۔ لیکن پاکستان کے معاملہ میں عربوں کا رویہ اکثر غیر ہمدردانہ رہا۔ مثال کے طور پر مصر کو لے لیجیئے۔ جب سیکورٹی کونسل میں کشمیر کے مسئلہ پر ایک ریزولیوشن کی تائید کے لئے پاکستان کو سات ووٹوں کی ضرورت تھی۔ اور بھارت پاکستان کی مخالفت میں پورا زور لگا رہا تھا۔ تو مصر کا ووٹ ہزاروں دقتوں اور پریشانیوں کے بعد پاکستان کو مل سکا تھا۔ افغانستان نے تو یہ کوشش کی تھی۔ کہ پاکستان انجمن بین الاقوام کا ممبر نہ بن سکے۔

۴ کروڑ عربوں — (۲ کروڑ مصری + ۲ کروڑ عربی) — کے لئے — خواہ ان کا رویہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ہماری محبت اور ہمدردی میں کبھی کوئی کمی نہ ہوگی — عربوں اور یہودیوں کا تناسب ۴۰ اور ۱ کا ہے۔ ان یہودیوں سے میدان جنگ میں شکست کھانے کے تلخ تجربہ کے بعد بھی عرب لوگ۔ بھارت جیسے ملک کی رہنمائی قبول کئے ہوئے ہیں۔ ان عربوں کی یہ جہالت ہماری عقل و خرد سے باہر ہے کیونکہ بھارت ہی وہ ملک ہے جو کہ برسوں سے تمام ایشیا میں عربوں کے خلاف یہودی پروپیگنڈا کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا ہے۔"

اتحادی فوجوں کے سپاہی جو کہ دوسری جنگ عظیم میں کام آئے ..

برطانوی باشندے جو مرے یا لاپتہ ہو گئے۔ اور جنہیں مردہ تصور کر لیا گیا — ۳،۰۴،۲۴۰

(فٹ نوٹ صفحہ ۹۵ پر دیکھئے)

ہندوستانی اور دوسری نوآبادیات کے باشندے جو کام آئے ۔ ۴،۱۲،۲۴۰

یہ اعداد و شمار مسٹر چرچل نے اپنی ایک تصنیف میں درج کئے ہیں ۔

جنرل آئزن ہاور نے اپنی یادداشت "جنگ یورپ میں امریکی فوجوں کے نقصانات کو ۳،۲۲،۱۸۸

عا اقتباس ۔ ڈان انگریزی ۔ کراچی ۔ ۱۷ فروری ۱۹۵۶ء

شاہ سعود سلطان نجد و حجاز نے ۱۰ دسمبر ۱۹۵۵ء کو بمبئی میں بھارت عرب ثقافتی انجمن کے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے کہا ۔ کہ میں ہندوستان سے رخصت ہوتے وقت ساری دنیا کے مسلمانوں کو بتاتا ہوں کہ بھارت میں مسلمانوں کا مستقبل محفوظ ہے "

بمبئی میں شاہ سعود یہ اعلان کر رہے تھے ۔ اور ادھر لکھنؤ میں مہاسبھا اور راشٹریہ سیوک سنگھ یہ دھمکی دے رہے تھے ۔ کہ بھارت کے ایک کروڑ مسلمان اور عیسائی بجبر ہندو بنا لئے جائیں گے شاہ سعود بمبئی میں یہ تقریر کر رہے تھے کہ "بھارتی مسلمانوں کی قسمت محفوظ ہاتھوں میں ہے" ادھر الٰہ آباد کے ایک گاؤں میں مسلمان شہید کئے جا رہے تھے ۔ ان کے مکان جلائے جا رہے تھے ۔ اور ان کا اثاثہ لوٹا جا رہا تھا ۔ ادھر بمبئی میں شاہ سعود اسلامی مقامات مقدسہ کے محافظ ہونے کی حیثیت سے عظیم بھارتی رہنما وزیر اعظم نہرو کا شکریہ ادا کر رہے تھے ۔ اور ادھر یو ۔ پی کے وزیر اعلےٰ پنڈت سمپورنانند یہ نصیحت کر رہے تھے ۔ کہ بھارت کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ مکہ اور مدینہ سے اپنا رخ پھیر لیں ۔ اور بھارتی دیوتاؤں کو اپنا روحانی پیشوا بنائیں

ایک وہ زمانہ تھا ۔ مسلمان خوش تھے ۔ کہ ۔ " پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے " یا اب یہ حالت ہے ۔ کہ پاسبان حرمین شریف اس بات پر خوش ہے ۔ کہ صنم کدوں کے پجاری اس کی رہنمائی و حفاظت میں مدد کریں گے ۔ عٹ یہ تمام اعداد و شمار " مہاجرین کا مسئلہ از آغا محمد اشرف " سے لئے گئے ہیں ۔

بتایا ہے ۔ دوسری جنگ عظیم میں اتحادی فوجوں کا یہ جانی نقصان چھ سال کی طویل مدت میں ہوا جب کہ

مشرقی پنجاب اور مشرقی پنجاب کی ریاستوں میں جو مسلمان شہید ہوئے ان کی تعداد ...۵۰ ہزار ہے۔ اور مسلمانوں پر یہ سب کچھ صرف چار ماہ کی قلیل مدت میں بیتی"۔[1]

امریکہ کی وزارت دفاع نے اعلان کیا ہے[2] کہ کوریا کی جنگ میں کل ایک لاکھ۔ ۴۷ ہزار۔ سات سو امریکی سپاہی ہلاک ہوئے۔

بھارت میں مسلمانوں کی نسل کشی کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد سے بھارت میں مسلمانوں کے خلاف ۹۳ فسادات ہو چکے ہیں۔ جبریہ تبدیلی مذہب کا سلسلہ ترقی کر رہا ہے۔ پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خانصاحب نے بتلایا ہے۔ کہ حال ہی میں ایک موقع پر ایک ہزار پانچ سو مسلمان زبردستی تبدیلی مذہب پر مجبور کئے گئے ہیں۔

جو مسلمان بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان آگئے ہیں۔ وہ بھی لاکھوں کی تعداد میں فٹ پاتھ اور سڑکوں پر بے کسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور پاکستان کے مقامی مسلمانوں کے طعنوں کے تیر اپنے سینوں پر برداشت کر رہے ہیں۔ سندھ کے ایک لیڈر نے کہا ہے کہ مہاجر مچھر اور مکھی کی طرح سندھ میں داخل ہو گیا ہے۔ اس سے بہر صورت چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے۔

وزیر اعظم محمد علی (بوگرومی) نے اعتراف کیا ہے۔ کہ برصغیر کے مسلم اقلیتی صوبوں کے لوگوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ کہ پاکستان کی عالی شان سلطنت برصغیر ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کی لاشوں پر تعمیر کی گئی ہے۔

---

[1] از مہاجرین کا مسئلہ [2] روزنامہ امروز کراچی ۸ر اگست ۱۹۵۳ء

جنس لاوارث

مہاجر پاکستان میں آنے پر کیوں مجبور ہوئے۔ اس کا پس منظر یہ ہے:۔

"بھارت کے ہندوؤں کا ہمیشہ یہ دعویٰ رہا ہے۔ کہ بھارت میں آریوں کے علاوہ جتنی بھی دوسری قومیں آئیں۔ وہ ہندو مذہب میں جذب کر لی گئیں۔ یا تباہ و برباد کر دی گئیں۔ بہ حیثیت جداگانہ قوم کے ان کا نام و نشان باقی نہ رہا۔

پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم بھارت نے ان خیالات کو اپنی تقریروں میں اس طرح ظاہر کیا ہے

(۱) ہمارے ملک[1] میں بہت سے لوگ باہر سے آئے ہیں۔ تاریخ بتلاتی ہے۔ کہ اول وہ لوگ آئے جو اپنے آپ کو آریہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد دوسری قومیں آئیں۔ ترکستان سے لوگ آئے۔ ایران سے آئے۔ اور مغول کے غول آئے اور یہ سب لوگ ہندوستان کے سمندر میں کھپ گئے۔ ہندوستان میں ایسی شکتی تھی کہ باہر کے خیالات ہضم کر سکے"۔

(۲)" بھارت[2] میں بہت سے لوگ باہر سے آئے۔ بعض حملہ آوروں کی صورت میں اور بعض طالب علم کی صورت میں۔ لیکن بھارت نے سب کو اپنا لیا اور بھارت کی پرانی تہذیب نے انہیں جذب کر لیا"

آریہ نسل کے لوگ ٹولیوں اور گروہوں میں شمال و مغرب سے تقریباً دو ہزار برس قبل مسیح ہندوستان میں آتے رہے۔ ان کے آنے سے قبل ہندوستان میں دراوڑی نسل کے لوگ آباد تھے۔ یہ اپنی ایک خاص تہذیب تمدن اور زبان کے مالک تھے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ موجودہ زمانہ میں سندھ اور بلوچستان کے بردہی جو زبان بولتے ہیں اس میں دراوڑی[3] زبان کے الفاظ اب بھی شامل ہیں۔ دراوڑی اس ملک کے اصلی باشندے تھے جنہیں

---

[1] رام لیلا گراؤنڈ دہلی ۲۰ نومبر ۱۹۵۶ء کو پنڈت جواہر لال نہرو کی تقریر۔ مدینہ بجنور۔ ۵ دسمبر ۱۹۵۶ء [2] ملک۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۵۶ء انجام کراچی ۱۳ دسمبر ۱۹۵۶ء [3] علم الاقوام (حصہ دوم)، مطبوعہ انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی ...... بروہی قوم نے اپنی دراوڑی زبان قائم رکھی۔ لیکن جسمانی خصوصیات کے لحاظ سے .... ان میں بلوچیوں اور سندھیوں میں کوئی فرق نہیں۔

آریوں نے شمال و مغرب سے جنوب کی طرف دھکیل دیا تھا۔ آریوں نے ہندوستان کے تمام پرانے باشندوں کو اپنا غلام بنا لیا تھا۔ آج کل یہ لوگ ہندوستان میں ادی باسی۔ اچھوت، پست اقوام یا "ہریجن" کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔

ہندوستان میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش سے پانچ سو سال پہلے "گوتم بدھ" پیدا ہوئے۔ انہوں نے شودر اور پست اقوام کی ذلت و بے چارگی کو محسوس کیا۔ اور ملک میں مساوات و اخوت کی تبلیغ کی۔ بدھ کے چیلوں نے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ایشیا کے ایک بہت بڑے حصہ میں بدھ کے لائے ہوئے انقلاب کو پھیلایا۔ جس نے آریائی اقتدار پر ایک ضرب کاری کا کام کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد برہمنی تصورات پھر غالب آ گئے۔ برہمنوں نے بدھ مذہب کے ماننے والوں کا اس قدر قتل عام کیا۔ کہ ہندوستان میں ان کا کوئی نام لینے والا بھی باقی نہ رہا۔ اور تمام ملک کے باشندے پھر غلام بنائے گئے۔ حالانکہ گوتم بدھ ہندوستان ہی میں پیدا ہوا تھا۔ اور ہندوستان ہی میں ان کی خاک کو منتشر کر دیا گیا تھا۔

مسلمانوں نے ہندوستان پر ایک ہزار برس حکومت کی۔

"مگر وہ حکمرانی جس کا سلسلہ جان و دل پر تھا"

۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کی آبادی ہندوستان میں دس کروڑ سے زیادہ تھی۔ گزشتہ پچاس برس سے ہندوؤں کے اخباروں میں اور کانفرنسوں میں برابر یہ ہی پروپیگنڈا ہو تا رہا ہے۔ کہ ہم نے ہندوستان میں آنے والی تمام قوموں کو اپنے میں جذب کر لیا ہے۔ مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے۔ جسے ہم ابھی تک ختم نہیں کر سکے ہیں۔ برسوں سے ہندو نوجوانوں کو اسپین (اندلس) کی تاریخ پڑھائی جا رہی تھی۔ اور انہیں بتلایا جا رہا تھا۔ کہ "عربوں نے آٹھ سو سال تک اندلس پر حکومت کی۔ اور عربی تہذیب و تمدن اور زبان کو پھیلایا لیکن وہاں کے عیسائیوں نے انہیں نہایت ہی ذلت و خواری کے ساتھ وہاں سے نکال دیا تھا۔ اس وقت اسپین کے ہر گلی کوچہ میں یہ ہی نعرہ بلند ہو رہا تھا۔ مسلمانو! یا تو عیسائی ہو جاؤ یا اسپین چھوڑ دو۔ لاکھوں مسلمان زندہ جلا دیئے گئے تھے۔ لاکھوں تختہ دار پر

لٹکا دیئے گئے تھے۔ اور لاکھوں طرح طرح کے آزار پہونچا کر مار ڈالے گئے تھے۔۔۔ اسی طرح ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کو بھی نکال سکتے ہیں۔ یا نیست و نابود کر سکتے ہیں۔۔۔ اسی منصوبہ کے مطابق بھارت میں مسلمانوں پر ظلم ڈھائے گئے۔ ان کا نام و نشان مٹانے کی کوشش کی گئی۔ بچے بوڑھے تہ تیغ کئے گئے۔ اور اب بھی بھارت میں یہ ہی نعرے بلند کئے جا رہے ہیں۔۔۔ ۔۔۔ مسلمانو! یا تو ہندو ہو جاؤ یا بھارت سے نکل جاؤ"۔

اکثر یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ مہاجر پاکستان میں کیوں آئے؟ کیا پاکستان بھارت سے زیادہ خوش حال۔ دولت مند اور ترقی یافتہ ملک ہے؟ کیا ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے مسلمان خانہ بدوش، فاقہ کش اور ازکار رفتہ قوم ہیں؟ ۔۔۔ ان سوالوں کے جواب میں مسٹر بروہی کے بیان کو یہاں نقل کر دینا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ مسٹر بروہی خالص سندھی ہیں اور پاکستان کی وزارت قانون کے اعلیٰ اور ممتاز عہدہ پر فائز رہ چکے ہیں ۔۔۔ پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم بھارت نے پاکستان کی اقلیتوں کے سلسلہ میں اسلامی دستور پر اعتراضات کئے تھے۔ اور کہا تھا۔ کہ یہ قرون وسطےٰ کا دستور ہے۔ اور جمہوری تصورات کے منافی ہے۔ مسٹر بروہی نے اس کا مدلل اور مفصل جواب دیتے ہوئے بھارت کے لادینی قانون کو اس طرح بے نقاب کیا ہے۔

"یہ مہاجرین بھارت میں اپنے آپ کو غیر محفوظ پا کر اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ پاکستان اس قدر خوش حال ملک نہیں۔ کہ بھارتی مسلمان اس کی خوشحالی سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ دینے پر تیار ہو جائیں۔ ان کی ہجرت کی ایک اور صرف ایک وجہ ہے۔ اور وہ یہ کہ بھارت میں اپنے آپ کو محفوظ نہیں پاتے۔ اور جان بچانے کی غرض سے پاکستان کا رخ کرتے ہیں"۔

مسٹر بروہی نے پاک پارلیمنٹ میں اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا تھا

کہ جون ۱۹۵۲ء اور دسمبر ۱۹۵۳ء کے درمیان بھارت سے پاکستان آنے والے مہاجرین کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ بھارت میں مسلمانوں کے لئے حالات اب تک مخدوش ہیں۔"

بھارت میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے اختلافات کی کیا نوعیت تھی۔؟ اور اب پاکستان میں کیا حالت ہے۔؟

(۱) (الف) بھارت میں اکثریت و اقلیت کے اختلافات نے شدید صورت اختیار کر لی تھی ہندو اکثریت میں تھے۔ اور مسلمان اقلیت میں۔

(۲) (ب) پاکستان میں بھی اکثریت و اقلیت کا جھگڑا شروع ہو گیا ہے۔ مشرقی پاکستان والے اپنے آپ کو اکثریت میں شمار کرتے ہیں۔ اور مغربی پاکستان والوں کو اقلیت میں۔ اس کے علاوہ بنگال پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اقلیت کی وجہ سے مہاجروں کی کوئی آواز نہیں ہے مغربی پاکستان میں تو مہاجروں کی حالت کچھ بہتر ہے۔ لیکن مشرقی پاکستان میں تو مہاجروں کی حالت بہت گری ہوئی ہے۔ تمام پاکستان میں انصار۔ انصار سے دست بہ گریباں ہیں۔ اور انصار و مہاجر کے اختلاف میں بھی تیزی پیدا کی جا رہی ہے۔ حالانکہ یہ سب ایک ہی ملت ہیں۔ ایک ہی خدا۔ ایک ہی رسول اور ایک ہی صحیفۂ آسمانی کے ماننے والے ہیں۔ صوبائی تعصب نے ایک دوسرے کو بالمقابل لا کھڑا کیا ہے۔

اے باغبانِ ملت۔ بادِ مخالفت نے
پژمردہ کر دیا ہے۔ ہر پھول اس چمن کا (بسمل)

مولانا بھاشانی نے اپنی ایک تقریر میں مہاجروں کو نصیحت کی ہے "کہ جمہوریت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اکثریت کی رائے کو تسلیم کیا جائے"۔ ــــــ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب میں جب بت پرستی کے خلاف تبلیغ شروع کی۔ تو ابولہب اور ابوجہل بھی اکثریت کی

۲۲ مارچ ۱۹۵۴ء

دلیل پیش کیا کرتے تھے"۔

(۲) (الف) بھارت میں زبان کا مسئلہ بہت ہی شدت اختیار کئے ہوئے تھا۔ ہندو اپنی مذہبی زبان سنسکرت کو قومی زبان بنانا چاہتے تھے۔ مسلمان چاہتے تھے۔ کہ ہندی یا سنسکرت زبان کو جو کہ مردہ اور غیر مانوس زبان ہے مسلمانوں پر زبردستی نہ ٹھونسی جائے۔

(۲) (ب) یہ ہی حالت پاکستان میں ہے۔ قائد اعظم نے ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو یہ یقین دلایا تھا۔ کہ پاکستان کی قومی و ملکی زبان اردو ہوگی۔ اور صرف اردو۔ کیونکہ اردو میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا بہترین سرمایہ، ہندوستان و پاکستان کی دوسری سب زبانوں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ پنجاب کو چھوڑ کر پاکستان کے ہر صوبہ میں اردو کی مخالفت کی جارہی ہے۔ اس تنگ خیالی اور صوبائی تعصب میں بنگال و سندھ سب سے آگے ہیں۔

(۳) (الف) بھارت میں آریہ نسل کے لوگوں کی اکثریت ہے۔ اور یہ ہی لوگ وہاں کے اقتدارِ اعلیٰ کے مالک ہیں۔ یہ لوگ نسلی برتری کے قائل ہیں۔ اور بھارت کی دوسری قوموں کو حقارت و نفرت سے دیکھتے ہیں۔ تمام ترقی یافتہ تمدن و ثقافت کو مٹا کر ہزاروں برس کی پرانی تہذیب کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ کہ وہ اسلامی تہذیب و تمدن کو چھوڑ کر دورِ وحشت و بربریت کی طرف لوٹ جائیں۔

(۳) (ب) اسلام نسلی و علاقائی برتری کا سخت مخالف ہے۔ لیکن پاکستان میں اسلام کا دعویٰ کرنے والے — بنگالی۔ سندھی۔ بلوچی۔ سرحدی۔ صوبائی تنگ خیالی میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے اکثر سندھی بھائی تو اسلامی تہذیب و تمدن کے بجائے۔ "موہنجو دڑو" کی تہذیب و تمدن سے سلسلہ ملا رہے ہیں۔ اور فخر کر رہے ہیں۔ خان عبدالغفار خان (سرحدی گاندھی) اور خان عبدالصمد خان اچک زئی (بلوچی گاندھی) تو نسلی بنیاد پر پختونستان کی حمایت کر رہے ہیں۔

(۴) بھارت میں مسلمانوں کی عزت و آبرو اور جان و مال محفوظ نہ تھے۔ یہ ہی خدشہ مہاجرین کے لئے پاکستان میں پیدا ہوتا جارہا ہے۔ مشرقی بنگال میں اسمبلی کے انتخابات پر زیادہ تر مہاجروں نے مسلم لیگ کو ووٹ دیئے۔ اور اردو کی حمایت کی۔ لسانی اختلافات کی بناء پر کرنافلی پیپر ملز اور دوسرے مقامات پر مہاجرین کے خلاف عوام کے جذبات مشتعل کئے گئے اور فسادات کی صورت اختیار کر لی۔ یہ ہی ناپاک جذبہ پاکستان کے اور صوبوں میں بھی خفیہ طور پر بھیلایا جارہا ہے۔

(۵) بھارت میں مسلمانوں پر روزگار و ملازمت اور کاروبار کے دروازے بند تھے آثار و قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اگر تنگ خیالی و صوبہ پرستی کے جذبات کو اسی طرح ہوا دی گئی تو پاکستان کی سرزمین بھی مہاجروں کے لئے جہنم کا نمونہ بن جائے گی۔

(۶) ہندوستان میں غیر مسلم اخبارات ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے رہتے تھے پاکستان میں بھی اکثر اخبارات کو جو مقامی حضرات کی زیر ادارت نکل رہے ہیں۔ پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے۔

"قلم میں ان کے نیش عقرب و زنبور رہتا ہے"

۷۔ تعصب و تنگ خیالی کی بنا پر ہندوستان کی اکثریت کو اسلام سے دلی عداوت ہے

"خوف کی چیز ہے۔ اس وقت مسلمان ہونا"

لیکن پاکستان میں مہاجر کو اگر کوئی نعمت حاصل ہے۔ تو وہ مذہبی آزادی ہے۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے۔ کہ جس پر دنیا کی تمام آسائشیں قربان کی جاسکتی ہیں۔

ؔ۱ خدا کا شکر ہے کہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء سے مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو ایک وحدت کے رشتہ میں پرو کر ایک صوبہ بنا دیا گیا ہے۔ جس کا نام ہے مغربی پاکستان۔ خیال ہے کہ صوبائی تنگ خیالی کے تیز و تند جذبات اب سرد پڑ جائیں گے۔ ؔ۲ میں یہ سمجھا تری طعنوں بھری تحریر سے ظالم ٭ قلم میں تیرے نیش عقرب و زنبور رہتا ہے
یہ شعر حضرت علامہ مولوی سید عبدالودود صاحب درد بریلوی کا ہے۔

ایک سندھی بزرگ کا ایک بیان اخباروں میں شائع ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے یہ سوال اٹھایا ہے۔ کہ مہاجرین کو دس سال تک حقوق شہریت سے کیوں نہ محروم کر دیا جائے۔ کیونکہ بہت سے مہاجرین پاکستان میں آئے۔ سال دو سال خانہ بدوشی کی زندگی گزاری۔ اور واپس بھارت چلے گئے۔ ان کا نام ووٹروں کی فہرست میں شامل کرنا خلاف قاعدہ ہے۔ اکثر مقامی اخبارات میں اس قسم کے مضامین نظر سے گزرے یا سنے جن میں مہاجرین کی پستی، گندگی اور بداخلاقیوں پر طنز کئے گئے ہیں: فرض کر لیجئے کہ یہ تمام الزامات صحیح و درست ہیں۔ تو سوال یہ ہے۔ کہ آرام کی کرسیوں پر بیٹھنے والے سیاستدانوں اور اعزازِ شہرت کے خواہشمند بزرگوں نے ان خانماں برباد لوگوں کی بہتری کے لئے کبھی اپنے ملی، اخلاقی اور انسانی فرائض کو محسوس کیا ہے؟

"انسان ایک وقت فاقہ کر سکتا ہے۔ دو وقت فاقہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اسے مسلسل فاقہ کشی کی زندگی میں مبتلا رکھو گے۔ تو پھر وہ خدا شناسی اور معرفتِ الٰہی کی منزل کا تصور کیسے کر سکے گا۔ .... انسان کے لئے ہوا اور پانی کی جتنی ضرورت ہے اتنی ہی ضرورت غذا لباس اور گھر کی بھی ہے۔ پھر اگر تم اسے ناقص غذا دیتے ہو۔ جو اس کی جسمانی ضروریات کی پوری طرح تکمیل نہیں کر سکتی۔ اگر تم اسے اپنے کپڑے نہیں دیتے۔ جو اس کے جسم کو ضروری حفاظت بہم پہونچا سکیں۔ اور اگر تم اس کے لئے مکان فراہم نہیں کر سکتے۔ جو اسے گرمی اور سردی کی تکالیف سے نجات دے سکے۔ تو پھر تم اس غریب انسان سے۔ اس سوکھے ہوئے جسم اور دھنسی ہوئی آنکھوں والے انسان سے۔ اس انسان سے جس کے گال پچکے ہوئے ہیں۔ جس کا رنگ پیلا ہے جس کی آنکھیں بے رونق ہیں۔ جس کا دماغ کمزور ہے۔ جس کا دل مریض ہے۔ جس کا جگر خراب ہے۔ جس کا معدہ بگڑا ہوا ہے۔ جو رات بھر کھانستا ہے۔ جس کا تمام دن بے چینی سے گزرتا ہے۔ اور جس کے پاس نہ تو دوا کے لئے پیسہ ہے نہ غذا کے لئے چھدام۔ اس انسان سے تم یہ توقع کیسے کر سکتے ہو۔ کہ وہ شرافت وانسانیت

ملا یہ عبارت "تاریخ انقلابات عالم (جلد اول) مصنفہ ابو سعید بزمی ایم اے" سے لی گئی ہے۔

کا مجسمہ ہو گا۔ وہ گناہ سے لرزے گا اور معصیت سے کانپے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
دیکھو کہ چھوٹے چھوٹے تنگ و تاریک مکانوں میں دس دس۔ پانچ پانچ انسان کیڑے مکوڑوں کی طرح سکڑے سکڑائے زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔ گھر کہاں ہیں غلاظت کے ڈھیر ہیں۔ ــــ ان مکانوں میں رہنے والوں کی حالت یہ ہے کہ بچوں کے پیٹ بڑھے ہوئے ہیں۔ یا پچکے ہوئے۔ بڑوں کی حالت نڈھال رات کو قہقہوں کے بجائے کھانسی کی آواز کے سوا اور کچھ نہ سنو گے۔ البتہ کبھی کبھی کوئی کراہ اس میں شامل ہو جائے۔ ہر ایک کا مزاج چڑچڑا جسے دیکھو دنیا سے بیزار۔ جسے دیکھو دوروں کا شاکی۔ آنکھیں آنسوؤں سے خالی۔ مگر دل ہر وقت غم سے لبریز۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غور کرو کہ اس قسم کے انسانوں سے تم کیا توقع کر سکتے ہو؟۔ کیا ان سے تم یہ چاہتے ہو۔ کہ وہ انسانیت کے معیار پر پورے اتریں گے۔ اور ان کے چہروں میں تم کو فرشتوں کا نظارہ نظر آئے گا۔

(۸) اخبارات میں اکثر یہ بیانات نظروں سے گزرتے رہتے ہیں۔ کہ پاکستان کی مرکزی حکومت اور صوبوں کی حکومتوں کی کوششوں سے مہاجرین کی آبادکاری کے مسائل تقریباً حل ہو چکے ہیں جو کچھ باقی رہے ہیں وہ بھی بہت جلد حل ہو جائیں گے۔ یہ بیانات طفل تسلی سے کم نہیں ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ مرکزی حکومت نے مہاجرین کے ساتھ کافی ہمدردی کی ہے اور وہ مہاجروں کی تکلیفوں کو سچے دل سے دور کرنے میں کوشاں ہے۔ صوبوں نے بھی مدد کی ہے لیکن اتنی مدد نہیں کی ہے جتنی کہ کرنی چاہئے تھی۔ گورنمنٹ کا یہ بیان کہ تمام پاکستان میں مہاجرین کی آبادکاری گورنمنٹ کی رہین منت ہے۔ مبالغہ سے خالی نہیں ہے ۸۰ فیصدی مہاجروں نے خود اپنی کوششوں سے کام لے کر اپنی آبادکاری کی تکمیل کی ہے۔ اس میں پگڑی اور "رشوت" کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ حکومت نے مہاجروں کی خاطر مکانات کی تعمیر کے لئے کاسۂ گدائی ہاتھ میں لے کر کئی لاکھ چندہ جمع کیا۔ لیکن یہ مہاجرین کے درد کا مداوا نہیں۔

قائد اعظم کے زمانہ کا حال نہ پوچھیئے۔ قائد اعظم مہاجرین کے لئے بے قرار رہتے تھے اور مہاجرین قائد اعظم کے حکم پر اپنی جان نثار کرنے پر تیار

"میں ان کے دل میں رہتا تھا۔ وہ میرے دل میں رہتے تھے"

قائد ملت کا زمانہ بھی۔۔۔ غنیمت تھا ــ مہاجروں کے دل قوی تھے۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں بھی مہاجرین کی کراہ پر فوری توجہ مبذول کی جاتی تھی۔ لیکن ان کی شہادت کے بعد مہاجر "جنس لاوارث" بن کر رہ گئے ــ "کوئی اتنا نہیں جو آنسو۔ پونچھے"

(۹) زمانہ ساز مہاجر:۔ ہندوستان سے پاکستان میں مہاجروں کے نام سے کچھ کالی بھیڑیں بھی آگئی ہیں۔ یہ ہندوستان میں بھی ملت فروش اور ابن الوقت تھے۔ اور پاکستان میں بھی ان کا طرہ امتیاز یہ ہی ہے۔ پاکستان میں کچھ تو "مال مفت" پر قبضہ کر کے "رئیس ابن رئیس" یا جاگیردار بن گئے ہیں کچھ نے اعلےٰ عہدوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور کچھ مہاجروں کے خود ساختہ لیڈر بن گئے ہیں۔ یہ مہاجر نہیں ہیں۔ اور نہ یہ مہاجروں کے نمائندے ہیں۔ ان پر ہندوستان میں کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی ــ ان کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ ذاتی مفاد۔ خویش پروری اور اقربا نوازی۔ لوٹ کھسوٹ میں مہاجر و انصار سب برابر ہیں۔ یہ مہاجروں میں مہاجر ہیں۔ اور انصار میں غیر مہاجر۔ ان کی بدنیتی اور بدافعالیوں نے مہاجرین کے طبقہ کو رسوا کر دیا ہے۔ عام تجربہ یہ ہے کہ ان کی سیاسی قلابازیوں نے مہاجروں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔

"حافظ۔ ابنائے زماں را غم مسکیناں نیست"

جنس تجارت

ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے مسلمان اگر ہندوستان میں رہتے ہیں. تو اکثریت کا اقتدار اپنے جور وستم کی چکی میں پیسنے کی کوشش کرتا ہے. اور اگر مہاجر بن کر پاکستان میں داخل ہوتے ہیں. تو یہاں بھی اکثریت کے طعنہائے دل خراش کا شکار بننا پڑتا ہے —

"ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا"

اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے ہندوستان میں اکثریت کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہنے کے لئے اپنی علیحدہ تنظیم کی. اور علیحدہ ادارے قائم کئے. جب یہ لوگ مہاجر بن کر پاکستان آئے تو یہاں بھی اپنی علیحدہ انجمنوں اور اداروں کی بنیاد ڈالی. مہاجر لیگ. مہاجر انجمن، مہاجر کانفرنس. مہاجر کونینشن اور اسی قسم کی بے شمار جماعتیں وجود میں آگئیں. موقع شناس اور زمانہ پرست حضرات نے ان سے خوب ناجائز فائدے حاصل کئے — ایک مرتبہ شہید ملت لیاقت علی خان صاحب نے مہاجروں کو یہ قیمتی مشورہ دیا تھا. کہ وہ ابھی پاکستان کی سیاست سے اپنے آپ کو آلودہ نہ کریں ورنہ وہ تباہ وبرباد ہوجائیں گے — ہمیں چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم پاکستان میں اپنے طریقہ کار کو بدل دیتے. غریب اور متوسط طبقوں کے مہاجروں کو مزدوروں اور کسانوں (ہاریوں) کی جماعتوں سے ربط وضبط بڑھانا چاہیئے تھا. دولت مند اور زمیندار مہاجروں کو سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے ظل عاطفت میں پناہ لینی چاہیئے تھی — ایسا کرنے کے بجائے. خود غرض اور جاہ پسند مہاجر لیڈروں نے خانماں برباد اور غریب مہاجروں کو اپنا آلۂ کار بنا کر اسمبلی کی ممبریوں اور حکومت کے اعلےٰ مراتب حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیا. مہاجر اور مقامی میں دائمی نفرت کا بیج بودیا. اسی طرح مقامی سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے مقامی مزدوروں، کسانوں اور دوسرے غریب طبقوں کو مہاجروں کے خلاف لاکھڑا کیا. اور

مہاجر و مقامی کو ایک دل بنانے کے بجائے ان کے درمیان باہمی اختلاف و مفارقت کی ایک وسیع و عمیق خلیج پیدا کر دی۔۔۔ مہاجر کو نہ پاکستان میں چین ہے اور نہ ہندوستان میں

"درد، جس پہلو سے لوٹو۔ درد ہے"[1]

شہید ملت لیاقت علی خان صاحب نے ایک بار اپنی تقریر میں فرمایا تھا۔ کہ اگر پاکستان تباہ ہو گیا۔ تو مہاجر کا کہیں ٹھکانا نہیں رہے گا۔ ہندوستان جا نہیں سکتا ہے۔ پاکستان میں زندگی گزارنی دشوار ہو جائے گی۔ بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ کہ کراچی کے قریب سمندر میں غرق ہو کر جان دے دے۔

"مہاجرین کو تھرڈ لیڈر اور وزیروں نے مقاصد برآری کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ مختلف مہاجر انجمنیں کتم عدم سے پردۂ وجود پر لائی گئیں۔ ان کے عہدہ داروں نے مہاجرین کے نام پر سب کچھ حاصل کیا۔ حشرات الارض کی طرح ان کے لیڈر نکل آئے ہیں۔۔۔ ناظم آباد میں ایک ایک نام نہاد مہاجر لیڈر پانچ پانچ کوارٹروں پر قبضہ کئے بیٹھا ہے۔ لالوکھیت میں آبادکاری کے بعض افسروں کی تجارت جاری ہے"[2]

"اسی بازار سیاست میں تم نے کتنی قوموں کی قسمتیں خریدی تھیں۔ اور آج خود مارکیٹ کی جنس بن چکے ہو۔ کہ ہر راہ گیر تمہاری بولی دے کر لے سکتا ہے"[3]

سردار عبدالرب نشتر نے ایک تقریر میں فرمایا تھا۔

"آج حالت یہ ہے۔ کہ مہاجرین کو غیر کہا جاتا ہے۔ اور مہاجرین پریشان ہیں۔ کہ وہ کیا کریں۔ آج آپ رو رہے ہیں۔ کہ کراچی سے اٹھا کر ڈرگ روڈ میں پھینک دیا گیا۔ اور آپ کو خطرہ ہے کہ اب ملیر سے اٹھا کر آپ کو لانڈھی میں پھینک دیا جائے گا۔ اگر مہاجرین نے اسی طرح جلسے کرنے جلوس نکالنے اور تجویزیں پاس کرنے پر اکتفا کیا۔ تو آپ کو ایک روز کراچی سے اٹھا کر دریائے سندھ میں

---

[1] نئی روشنی، ۱۰ر جون ۱۹۵۳ء [2] مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریر کے دو جملے [3] مہاجر کنونشن ۴ر اکتوبر ۱۹۵۳ء

غرق کر دیا جائے گا۔

میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں۔ کہ ان طریقوں سے نہ تو آپ کی بستیوں میں روشنی اور پانی کا انتظام ہو سکے گا اور نہ آپ کو قبرستان کے لئے زمین ملے گی۔

آپ نے مہاجروں سے کہا۔ کہ وہ کسی شخص کا سیاسی آلۂ کار بننے سے بچیں۔ کیونکہ مہاجرین کی حالت خراب ہے۔ اور ہر شخص انہیں اپنے ذاتی مفاد کے لئے آلۂ کار بنانے کی کوشش کر رہا ہے

آپ نے مہاجروں کو متحد ہو جانے کا مشورہ دیا اور کہا۔ کہ جب تک آپ ایک آواز ہو کر اپنے مطالبات پیش نہیں کریں گے۔ اس وقت تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے"

(۲) جب ڈاکٹر خانصاحب وزیر اعلےٰ مغربی پاکستان۔ نواب شاہ پہونچے۔ تو کئی سو مہاجروں کے ایک ہجوم نے ڈاکٹر خانصاحب زندہ باد کے نعروں سے ان کا خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر خانصاحب نے ان لوگوں سے کہا۔ کہ تمہیں کسی ہستی کے لئے نعرے نہیں لگانے چاہئیں۔ کیونکہ کسی نے ابھی تک تمہاری کوئی ایسی خدمت نہیں کی ہے۔ جس کی تمہیں ضرورت تھی۔

---

(۱) نواب شاہ ۱۳ دسمبر ۱۹۵۵ء۔ صفحہ ۷ ڈان ۱۵ دسمبر ۱۹۵۵ء

اغوا شدہ عورتیں

تقسیم ملک کے وقت پاکستان اور بھارت میں عورتوں اور بچوں پر بے انتہا مظالم ڈھائے گئے تھے، لیکن دونوں ملکوں نے ۱۹۴۷ء کے آخر میں اغوا شدہ عورتوں اور بچوں کی بازیابی کے لئے جدوجہد شروع کر دی تھی۔ مسلمان اغوا شدہ عورتوں اور لڑکیوں کا تعلق مشرقی پنجاب اور مشرقی پنجاب کی ریاستوں سے ہے۔ اور غیر مسلم اغوا شدہ عورتوں اور بچوں کا تعلق صرف مغربی پنجاب سے ہے۔ مشرقی پنجاب اور ملحقہ ریاستوں میں سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمان عورتوں پر اس قدر اخلاق سوز اور ننگ انسانیت مظالم کئے ہیں۔ کہ تاریخ عالم اس سے بڑی کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

"۸ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد مشرقی پنجاب کی خاک مسلمانوں کے خون سے رنگین ہوتی گئی۔ مسلمانوں کی نعشیں کس مپرسی کے عالم میں پڑی ہوئی سڑنے لگیں۔ اور کتوں گیدڑوں، چیلوں اور کوؤں کی خوراک بن گئیں۔ قتل عام کی مہم ایسی تند اور ہمہ گیر تھی، کہ مردوں، عورتوں۔ بچوں بوڑھوں، بیماروں، اپاہجوں، اور درویشوں۔ سب کو بلا امتیاز تہ تیغ کیا۔ جوان عورتوں کی آبروریزی ایسے ایسے بہیمانہ طریقوں سے کی گئی۔ کہ بیچاری یکے بعد دیگرے درجنوں مردوں کا تختۂ مشق بننے کے باعث نیم جان ہو گئیں یا مر گئیں۔ معصوم بچوں کو ان کی ماؤں کے سامنے نیزوں میں پرو پرو کر پاکستان کے جھنڈے بنائے گئے۔ اور بچوں کو یکجا کر کے بھڑکائی ہوئی آگ میں پھینک دیا گیا.......

...... سکھ قصبوں میں گھس کر مسلمان مردوں اور عورتوں کو ذبح کر دیتے

ماخوذ از تاریخ اسلام مولفہ عبدالرحمٰن و عبدالحکیم نشتر جالندھری۔ اشاعت منزل لاہور تاریخ اسلام جلد ششم

اور جوان لڑکیوں کو گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے جاتے تھے ....

.... اسلام کی وہ بہادر خواتین ہماری تاریخ کے لئے مایۂ ناز ہیں. جنہوں نے جوان مردوں کیطرح وحشی سکھوں سے لڑکر جامہائے شہادت نوش کئے. جو اپنی عزت و آبرو کو بچانے کی خاطر دریاؤں میں کود پڑیں. اور ان کی لہروں میں ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئیں. جنہوں نے محصور ہو جانے کی صورت میں گھر کی دوسری، تیسری منزل پر چڑھ کر چھلانگیں لگا دیں. تاکہ دشمن جیتے جی ان کے پاک جسموں کو ہاتھ نہ لگانے پائیں. جنہوں نے کنوؤں میں کود کر اپنی زندگیوں کا خاتمہ کرنے کی ٹھان لی. لیکن دشمن کے ہاتھ قید ہونا گوارا نہ کیا"

۱۹۴۷ء کے ہنگامہ قیامت میں امرتسر کے اسٹیشن پر ایک سکھ نے ایک مسلمان سے پانی کے ایک گلاس کی فطری قیمت تین سو روپیہ وصول کی تھی. کیونکہ اس کا بچہ پیاس سے مر رہا تھا. اور پناہ گزینوں کی ٹرین سے کوئی کوئی مسلمان نیچے اتر کر خود پانی نہیں لے سکتا تھا"

تقسیم ہند کے بعد دہلی میں جو فساد ہوا تھا. تو پہاڑ گنج کے علاقہ میں وحشی درندوں نے مسلمان عورتوں کا برہنہ جلوس نکالا تھا"

مشرقی پنجاب میں مسلمان عورتوں پر مظالم کی داستانیں جب مغربی پنجاب کے مسلمانوں کے کانوں تک پہونچیں. تو وہ بھی انتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر شیطانی افعال کے مرتکب ہوئے کل پاکستان مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ میں. جو کہ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۲ء کو ڈھاکہ میں منعقد ہوا تھا. جناب سردار عبدالرب (وزیر صنعت وحرفت)، نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا. کہ پاکستان عظیم قربانیوں سے عالم وجود میں آیا ہے. نوے ہزار مسلمان عورتوں کو غیر مسلم زبردستی اپنے ساتھ لے گئے ہیں اغوا شدہ عورتوں کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے. جناب خواجہ شہاب الدین صاحب نے پاکستان پارلیمنٹ میں بتایا تھا. کہ اغوا شدہ عورتوں اور بچوں کی تعداد بتانا ناممکن

؎۱ سود حصہ دوم. مؤلفہ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی ؎۲ نئی روشنی کراچی ۹ر فروری ۱۹۵۶ء

ہے لیکن جہاں تک معلوم ہوا ہے. اغوا شدہ عورتوں اور بچوں کی تعداد ۴۷ ہزار سے کم نہیں ہے"

۹ راگست ۱۹۵۰ء کے روزنامہ انگریزی ڈان میں مدیر محترم نے اغوا شدہ عورتوں پر ایک مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے. جس میں بتایا ہے:۔

" ساٹھ ہزار مسلمان اغوا شدہ عورتوں کی فہرست پاکستان گورنمنٹ نے بھارت گورنمنٹ کو بھیجی تھی ....

اور بھارت گورنمنٹ نے نو ہزار (۹۰۰۰) ہندو اغوا شدہ عورتوں کی فہرست پاکستان گورنمنٹ کو بھیجی تھی ....

صرف ایک شہر امرتسر میں ۵ ہزار مسلمان عورتیں اغوا کی گئیں"۔

مغربی پاکستان میں اغوا شدہ عورتوں کی بازیابی کی کمیٹی کے صدر شیخ صادق حسن نے کہا. کہ پنجاب سے تقریباً تمام غیر مسلم مغویہ عورتوں کو ڈھونڈ کر بھارت واپس بھجد یا ہے. بہت ہی کم ایسے مغویہ افراد ہیں. جو نشان وہی کی عدم فراہمی کے باعث ابھی بازیاب نہیں ہو سکے ہیں. انہوں نے کہا. صوبہ سرحد اور آزاد کشمیر میں البتہ کچھ مغویہ عورتیں ہیں"۔[1]

(۱) حکومت پاکستان نے تمام مغربی پاکستان کو انتہائی کوششوں سے چھان مارا ہے. اور کثیر تعداد میں ہندو اور سکھ عورتیں جن کا پتہ مل سکا. بھارتی حکومت کو پہونچا دی گئی ہیں. اس کے برخلاف بھارت میں ابھی تک ۵۰۰۰۰ (پچاس ہزار) اغوا شدہ مسلمان عورتیں موجود ہیں. جو کہ خاموش مایوسی میں اپنے دن گزار رہی ہیں .... (ڈان ۱۴ مئی)

(۲) ابھی تک ۵۰ ہزار (پچاس ہزار) مسلمان اغوا شدہ عورتیں بھارت میں موجود ہیں. بھارت ان کی بازیابی میں تساہل سے کام لے رہا ہے. ——

(روزنامہ ڈان. ۲۷ راکتوبر ۱۹۵۳ء - اغوا شدہ عورتیں)

---

[1] امروز کراچی. ۱۹ ر دسمبر ۱۹۵۴ء.

(۳) اب بھی ہندوستان میں تقریباً ۴۴ ہزار (چالیس ہزار) مسلمان اغواشدہ عورتیں موجود ہیں ج
(روزنامہ انجام۔ کراچی۔ ۳۰ اگست ۱۹۵۴ء)

"دہلی میں پاکستان اور بھارت کے افسروں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی۔ ایک بھارتی افسر نے کہا۔ کہ مسلم خواتین کو برآمد کرنے کے بعد تحقیقات کرنے کی غرض سے بھارتی نگرانی میں رکھا جائے گا۔ صرف اُن خواتین کو پاکستان کے حوالے کیا جائے گا۔ جو پاکستان جانے کی خواہشمند ہوں اس کا فیصلہ بھی ہندوستانی افسر کریں گے"

ریاست حیدرآباد (دکن) میں کانگریسی ہندوؤں نے مسلمان عورتوں پر جو لرزہ خیز مظالم کئے۔ ان کا مختصر سا حال پنڈت سندر لال جی سے سنیئے۔ جو کہ مہاتما گاندھی کے مشہور چیلوں میں سے تھے۔ اور بھارت کے ممتاز رہنما۔

"جب بھارتی فوج نے حیدرآباد پر حملہ کیا۔ تو اس وقت کانگریس کے گنڈ اعناصر نے حیدرآباد ریاست کے ہر اس گاؤں پر حملہ کیا جس میں مسلمان آباد تھے۔ وہ بالغ مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد مسلمان عورتوں کی عصمت دری کی۔ مسلمانوں کے تمام اثاث البیت ــ از قسم روپیہ، زیور، خانگی سامان۔ غلہ اور جانور وغیرہ وغیرہ لوٹا۔ میں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا کہ مسلمانوں کے مکانوں کی چھتیں اتار لی گئی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ مواضعات کے تمام کنوئیں لاشوں سے پٹے پڑے تھے۔ میں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں گھومتا پھرا مجھے سوائے تباہی و بربادی کے کچھ نظر نہیں آیا۔ شام کی عبادت میں میں نے کہا۔ کہ اے میرے خدا! کیا تو نے مجھے یہاں صرف لاشوں کو گننے کے لئے بھیجا ہے"

ا۔ انجام کراچی۔ ۳۰ اگست ۱۹۵۴ء
۲۔ ڈان کراچی ۳۰ جولائی ۱۹۵۱ء "حیدرآباد میں مظالم"

ج۔ مغویہ خواتین کی بازیابی کمیٹی کے صدر شیخ صادق حسن نے کہا کہ ابھی ساٹھ ہزار عورتیں اور لڑکیاں بھارت میں غیر مسلموں کے قبضہ میں ہیں ــ (۱۸ دسمبر ۱۹۵۵ء نئی روشنی کراچی)

بھارت کی حکومت نے جب حیدر آباد (دکن) پر حملہ کیا۔ تو اس کے روح رواں میجر جنرل چودھری تھے۔ بھارت میں یہ فاتح دکن کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ حیدر آباد کے مسلمانوں کی تباہی اور مسلمان عورتوں کی آبرو ریزی کے یہ ہی ذمہ دار ہیں۔ فروری ۱۹۵۴ء میں حیوانات کی نمائش میں شرکت کی غرض سے یہ لاہور آئے تھے۔ حکومت پنجاب نے ان کا خیر مقدم بھی کیا۔ اور سرکاری مہمان نوازی کے فرائض بھی ادا کئے۔ میاں شفیع صاحب نے پنجاب اسمبلی میں ایک تحریک اس مفہوم کی پیش کی تھی۔ جو کہ مسترد کر دی گئی تھی۔ کہ "حکومت پنجاب نے میجر جنرل چودھری کو سرکاری مہمان بنا کر ایک ایسا کام کیا ہے۔ جو کہ قومی غیرت کے خلاف ہے"

پاکستان ایک اسلامی جمہوریہ ہے اور اس جمہوریہ کے آٹھ کروڑ مسلمان ان اغوا شدہ مسلمان عورتوں کو بالکل فراموش کر چکے ہیں۔ ان میں نہ تو کوئی جذبۂ غیرت ہے۔ اور نہ ان کے دل ان بے بس و بے کس عورتوں کے لئے بیتاب ہیں۔ تاریخ اسلام میں ایسے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ کہ مسلمان مطلق العنان بادشاہوں نے ایک عورت کی فریاد پر غیر مسلم سلطنتوں پر صرف اس لئے دھاوے بول دیئے تھے کہ وہاں کی بے کس مسلمان عورت نے ان فرمانرواؤں کو اعانت کے لئے پکارا تھا۔

یہاں چند مشہور واقعات درج کئے جا رہے ہیں:-

(۹):- تاریخ[1] اسلام کا یہ ایک مشہور واقعہ ہے۔ کہ لنکا میں جسے عرب (سیلان) کہتے تھے۔ ایک جماعت عرب تاجروں کی مع اہل و عیال کے رہا کرتی تھی۔ اتفاقاً ایک مسلمان تاجر وفات پا گیا لنکا کے راجہ نے متوفی کی بیوہ اور لڑکے۔ لڑکیوں کو بڑے آرام سے ایک جہاز پر سوار کر کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس روانہ کر دیا۔ حجاج ابن یوسف ثقفی حاکم اعلےٰ تھا۔ جب یہ جہاز سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل (دیول) کے قریب پہونچا۔ تو سندھی قزاقوں نے لوٹ لیا۔ ان قیدیوں میں سے ایک عورت بے اختیار پکار اٹھی ہے کہ۔ فریاد۔ اے حجاج۔ جب یہ خبر حجاج کو پہونچی۔ تو وہ بیتاب ہو گیا۔ اور انتہائی جوش میں کہہ اٹھا۔ کہ ہاں میں آیا۔ اس واقعہ سے حجاج کے دل پر چوٹ لگی۔ اور اس نے قیدیوں کو

[1] تاریخ سندھ مصنفہ

ہما!نے اور سندھ کو فتح کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ حجاج نے اپنے چچازاد بھائی محمد بن قاسم کو سندھ کی مہم پر روانہ کر دیا۔ محمد بن قاسم نے راجہ داہر کو شکست دی۔ ان قیدی عورتوں کو رہا کرایا۔ اور عرب بھیج دیا۔

(ب)۔ حکم بن ہشام۔ فرمانروائے اندلس — (۱۹۶ھ۔ ۸۲۱ء)۔

۱۹۶ھ (۸۱۱ء) میں اتفاقی طور پر ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اور اس سے حکم کی توجہ ادھر مبذول ہوگئی۔ ایک اندلسی شاعر عباس نامی نے اس کے سامنے ایک قصیدہ پیش کیا کہ اس نے ایک عورت کی فریاد سنی۔ جو امیر کا نام لے کر دہائی دے رہی تھی۔ حکم نے واقعہ کی تفصیل پوچھی، تو معلوم ہوا۔ کہ وہ ایک قافلہ کے ہمراہ تھی جس پر دشمنوں کا ایک دستہ حملہ آور ہوگیا تھا۔ سب لوگ قتل کئے گئے۔ اور وہ زندہ گرفتار کر لی گئی۔ اس وقت اس عورت نے یہ فریاد کی۔ "حکم تیری دہائی ہے۔ تو نے ہمیں بھلا دیا۔ ہم بیوہ و یتیم ہو گئے" — حکم یہ سن کر بہت متاثر ہوا۔ اور جہاد کا اعلان کر کے فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ وادی الحجارۃ کے پاس وہ واقع پیش آیا تھا۔ چنانچہ اسی سمت روانہ ہو کر عیسوی حکومت کے حدود میں داخل ہوا۔ متعدد قلعے فتح کئے، بہت سے شہروں کو لوٹ لیا۔ بہت سے لوگ قتل کئے گئے۔ اور بہت سے گرفتار کئے گئے جن میں عورتیں بھی تھیں۔

اس کے بعد قیدیوں کا تبادلہ کیا گیا۔ وہ فریاد کرنے والی عورت تبادلہ میں واپس آئی۔ ......

...... واپسی کے بعد حکم نے سرحد والوں اور خصوصاً اس عورت سے پوچھا۔ کہ تم لوگوں نے حکم کو فریاد کے لئے پکارا تھا؟ لوگوں نے اثبات میں جواب دیا۔ اور اس کے حق میں دعائیں کیں۔ اس کے بعد حکم قرطبہ واپس چلا گیا۔"

(ج) مامون نے اپنے بھائی معتصم کو ولی عہد مقرر کیا۔ معتصم باللہ علم و ادب سے بیگانہ تھا لیکن دلیری و شجاعت میں یگانہ روزگار تھا۔ مورخین اس کو "سپاہی خلیفہ" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ معتصم جن دنوں بابک خرمی سے برسرپیکار تھا۔ قیصر روم نے سرحدی شہروں پر شرمناک مظالم کئے۔ مسلمان، مرد عورتوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔ ناک کان کاٹ ڈالے۔ اور آنکھوں میں گرم سلائیں

۱ تاریخ اندلس حصہ اول۔ مصنفہ مولانا سید ریاست علی ندوی۔

پھروا دیں.

کہتے ہیں. کہ ان گرفتار شدہ عورتوں میں سے ایک نے فریاد کی ۔ اے معتصم ہماری مدد کر معتصم کو جب یہ بات معلوم ہوئی . تو غصہ سے چہرہ سرخ ہو گیا . اور تخت پر دیوانہ وار چلایا۔ "میں ابھی آیا. ابھی آیا" چنانچہ اسی وقت فوج کو روانگی کا حکم دے دیا۔

جمادی الثانی ۲۲۲ھ میں معتصم ایک لشکر جرار کے ساتھ عموریہ کی مہم پر روانہ ہوا. یہ مقام انگورہ سے سات میل کے فاصلہ پر تھا. قیصر بھی یہ خبر سن کر ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلا. اسلامی لشکر نے محاصرہ کیا. منجنیقوں سے پتھر برسائے ایک جگہ شگاف ہوا اور مسلمان اندر داخل ہو گئے اور فتح کا نعرہ بلند کیا. بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا. مگر معتصم نے عالی ظرفی سے کام لے کر قتل عام سے فوج کو باز رکھا اور معمولی لوٹ مار بھی نہ ہونے دی. خلیفہ نے حکم دیا. کہ اس عورت کے پاس مجھے لے چلو. جس نے میرا نام پکار کر فریاد کی تھی. اس عورت کی جائے قیام پر خلیفہ خود گئے.

(د)۔ محمد¹ ابن ابی عامر۔ اندلس کا مشہور فرمانروا تھا. مورخین اسے منصور بھی کہتے ہیں.

نیرہ کی عیسائی ریاست میں ایک بار منصور کا سفیر گیا. اور آزادی کے ساتھ مختلف مقامات کی سیر کی ایک گرجے میں ایک مسلمان بوڑھیا ملی. جو کہ وہاں بطور لونڈی کے رکھی گئی تھی. سفیر نے واپس آکر منصور کو یہ ماجرا سنایا. منصور بے قرار ہو گیا. فوراً اٹھ کھڑا ہوا. اور فوج کو حملہ کا حکم دے دیا. جب فوج نیرہ کے قریب پہونچی. تو وہاں کے عیسائی بادشاہ نے سفیر بھیج کر درخواست کی. کہ عالیجاہ بندہ سے کیا قصور سرزد ہوا ہے. میں تو آپ کا باجگزار ہوں. منصور نے کڑک کر کہا. کہ تم نے ہم سے قسمیہ کہا تھا. کہ تمہارے یہاں کوئی مسلمان قیدی نہیں ہے. حالانکہ ایک گرجے میں ایک مسلمان قیدی عورت موجود ہے".

عیسائی بادشاہ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا. اس عورت کو پیش کر کے معافی چاہی. بڑھیا کو کافی زر و جواہر بھی دیئے اور اس گرجے کو منہدم کرا دیا.

---

¹ میں اپنے محترم کرم فرما جناب محمد شریف صاحب ایم. اے. ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول لاڑکانہ کا انتہائی ممنون ہوں کہ انھوں نے اندلس کے یہ تاریخی واقعات مہیا فرمائے.

یہ تھا صحیح جذبۂ غیرت۔ کہ ایک عورت کی فریاد پر سلطنت کا ہر فرد بیتاب تھا۔ اور جب تک ان قیدی عورتوں کو آزاد نہیں کرا لیا۔ تب تک خواب و خور اور عیش و آرام اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔

معصوم لڑکیوں اور پاکباز عورتوں کی عصمت دری کا مذموم جرم خواہ ہندوؤں اور سکھوں سے سرزد ہو۔ خواہ مسلمانوں سے۔ عالم انسانیت میں یہ بدترین اور ناقابل معافی گناہ ہے۔

"مسلمانوں کی تاریخ حاضر میں سب سے بڑا المناک حادثہ جس پر ہر مسلمان فرط اضطراب سے چیخ اٹھا یہ تھا۔ کہ تقسیم ہند کے وقت مشرقی پنجاب اور ملحقہ ریاستوں میں مسلمان عورتیں اور لڑکیاں غیر مسلموں نے جبراً اپنے قبضہ میں کر لیں۔ اور ان کو زندگی بھر کے لئے گناہ اور معصیت کی زندگی پر مجبور کر دیا تھا۔ اس سے قبل اگر کبھی اکا دکا عورت بھی گمراہ ہو کر کسی غیر مسلم کا گھر جا بساتی تھی۔ تو پورا مسلم ہندوستان چلا اٹھتا تھا۔ ہمیں یاد ہے کہ جب اپنے خاوند سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک عورت آریہ سماج کی شرن میں چلی گئی تھی۔ تو پورے ہندوستان میں آگ سی لگ گئی تھی۔ مسلمان محسوس کرتے تھے۔ کہ اس بدنصیب عورت کی ایک ایک رات پوری ملت اسلامیہ کی توہین کے مترادف ہے۔ لیکن پاکستان بنتے ہی ساری قوم بے غیرتی و بے حمیتی کے ایک ایسے اتھاہ سمندر میں غرق ہو گئی۔ کہ پچاس۔ ساٹھ ہزار مسلمان عورتوں کی آبرو پر بھی وہ صبر کر کے رہ گئی ــــ یہ صبر بے غیرتی کا صبر تھا۔ عالی ظرفی کا صبر نہیں تھا۔ مگر اس نے عبرت حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی"۔

۱؎ مدیر محترم۔ کوثر۔ لاہور کے ایک اڈیٹوریل کا اقتباس۔

یوپی کا مہاجر

صوبۂ یوپی۔ انگریزی دور حکومت میں صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ کے نام سے مشہور تھا۔ اور اب اترپردیش کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں کے مسلمانوں نے ہمیشہ تمام دنیا کے مسلمانوں سے اظہار ہمدردی کیا ہے۔ اگر ترکی، مراکش، طرابلس، مصر، عرب، فلسطین، ایران یا کسی اور اسلامی ملک کے کسی مسلمان کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھ جاتا تھا۔ تو اس صوبہ کا ہر مسلمان اس کانٹے کی خلش اپنے دل میں محسوس کرتا تھا۔ جنگ بلقان و طرابلس میں اس صوبہ کے مسلمانوں کی بے قراری و بے چینی کا صرف وہی لوگ صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ تحریک خلافت کے زمانہ میں تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ قربانی اسی صوبہ کے مسلمانوں نے پیش کی ہے۔

خنجر چلے کسی پہ۔ تڑپتے ہیں ہم امیر سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

۱۸۵۷ء کے غدر میں اسی صوبہ کے مسلمان زیادہ تر تختۂ دار پر چڑھائے گئے ہیں۔ اور اسی صوبہ کے مسلمانوں کی جائدادیں ضبط کی گئی ہیں۔ عالمگیر جنگ اوّل میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسینؒ اسی صوبہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جنہیں انگریزوں نے مالٹا میں نظر بند کر دیا تھا۔ رئیس الاحرار مولانا حسرت موہانی اسی صوبہ کے رہنے والے تھے۔ جو کہ ایثار و قربانی میں عدیم النظیر ہستی تھے۔ علی برادران۔ (مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا شوکت علیؒ) اسی صوبہ کے باشندے تھے۔ جن کی قربانیاں تاریخ ہند کے صفحات پر ثبت دوام حاصل کر چکی ہیں۔ اسی صوبہ کے ہزاروں اور لاکھوں مسلمانوں کے نام پیش کئے جا سکتے ہیں۔ جنہوں نے صلہ و ستائش کی تمناؤں سے بالاتر ہو کر مسلمانانِ عالم پر اپنے جان و مال کو قربان کر دیا ہے؛

حضرت سید احمدؒ (رائے بریلوی) نے خدا کی زمین پر حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے

لئے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور خاک پاک بالاکوٹ میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ یہ عظیم المرتبت اور جلیل القدر ہستی اسی صوبہ سے تعلق رکھتی ہے۔

قائد ملت نوابزادہ لیاقت علی خان اولین وزیر اعظم جمہوریہ پاکستان اسی اجڑے ہوئے دیار کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے اگست ۱۹۵۱ء میں اپنی آخری تقریروں میں فرمایا تھا:

(۱) "اگر پاکستان کی حفاظت کے لئے — پاکستان کی بقا کے لئے — پاکستان کی عزت کے لئے — قوم کو خون بہانا پڑا۔ تو لیاقت کا خون بھی اس میں شامل ہوگا"

(۲) "میرے پاس ایک جان باقی ہے۔ سو وہ بھی پاکستان کی نذر کر چکا ہوں۔ اور اگر میرے خون کی ضرورت ہوئی تو وہ بھی حاضر ہے"

قائد ملت صوبائی عصبیت سے بالاتر۔ جمہوری اصولوں کے علم بردار۔ قائد اعظم کے نقش قدم پر چلنے والے۔ مہاجروں کے ہمدرد اور مہاجرین کے لٹے ہوئے قافلہ کے سالار کارواں تھے جب تک زندہ رہے۔ ملک و قوم کی خدمت کرتے رہے۔

سردار امیر اعظم خان۔ (وزیر مہاجرین پاکستان) نے ریڈیو پاکستان سے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

میں نے قائد ملت لیاقت علی خان صاحب سے کہا۔ کہ میں نے آپ کی جائداد کے تبادلہ کا پورا انتظام کر لیا ہے۔ آپ نے کہا کہ اگر میں نے اپنی جائداد کا تبادلہ کر لیا۔ تو سب سے بڑا گناہ گار ہوں گا خدا مجھے بخشے گا نہیں۔ کیونکہ مجھ سے بڑھ کر صاحب ثروت اپنا سب کچھ قربان کر کے پاکستان آئے ان کی جائداد کا کیا ہوگا۔ میں خدا کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا"

کھوکھراپار کے راستہ سے جس قدر مہاجر پاکستان میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ۸۰ فیصدی یو۔ پی کے رہنے والے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کچھ مزدور پیشہ ہیں۔ ان کی تباہ حالی اور بے خانماں زندگی کا نقشہ، لالوکھیت، ڈرگ روڈ کالونی حیدر آباد سکھر اور لاڑکانہ میں جا کر دیکھ لیجئے۔

ے انئی روشنی کراچی ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۵۴ء

میر جی. اس طرح سے آتے ہیں • جیسے کنجر کہیں کو جاتے ہیں.

مشرقی بنگال عوامی لیگ کے صدر مولانا عبدالحامد بھاشانی نے فرمایا. کہ یوپیؑ اور بہار کے مہاجرین نے پاکستان کے لئے بے پناہ قربانیاں دی ہیں اور یہ جانتے ہوئے. کہ یو.پی اور بہار پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے. انہوں نے اس مملکت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا. ہم اُن کی اِن قربانیوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے ہیں."

یو.پی سے کچھ بلند پایہ خاندان بھی پاکستان میں آگئے ہیں. یہ وہ لوگ ہیں. جو وہاں بھی بادہ عیش و راحت سے مست و سرشار تھے. ایک طرف ان پر انگریز کے لطف و کرم کی بارشیں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اپنی آتشین نوا سنجی کی داد بھی حاصل کر رہے تھے. ان کی صحیح تصویر یہ ہے.

فکر لیڈر کو بہت ہے. مگر آرام کے ساتھ قوم کے غم میں ڈنر کھاتا ہے حکام کے ساتھ (اکبر)

یہ خوش قسمت اور زمانہ پرست لوگ غریب مسلمانوں کی قربانی کے طفیل سے پاکستان میں بھی جاہ و دولت کے اعلےٰ مقامات پر فائز ہیں.

جو غریب مسلمان بھارت میں باقی رہ گئے ہیں. ان کا حال اور مستقبل دونوں تاریک ہیں

کچھ خاک میں ملیں گے. تو کچھ ہوں گے جزو غیر

یہ واقعہ صحیح ہے. مگر دل خراش ہے (اکبر آلہ آبادی)

اور جو مہاجر بن کر پاکستان کی گلیوں اور شاہراہوں میں خاک چھانتے پھر رہے ہیں وہ تپ دق، سل اور امراض متعدی کے شکار بن کر پیام اجل کا انتظار کر رہے ہیں. ان کے حال اور مستقبل دونوں پر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے.

لکھنؤ کے مشہور[۲] اخبار صدق نے یوپی کے قدیم ترین قوم پرست روزنامہ حقیقت کا ایک اداریہ اپنی اشاعت میں نقل کیا ہے ۱۹۴۷ء کے بعد یوپی میں رہنے والے مسلمانوں

[۱] ۲۰ مارچ ۱۹۵۴ء. ڈھاکہ - [۲] لکھنؤ - ۱۳ مارچ ۱۹۵۳ء

پر کیا گزری؟ ۔ اس اداریہ میں مطالعہ کیجئے :۔

حیدر آباد کے گزشتہ اجلاس میں فرقہ واریت کے خلاف تقریر کرتے ہوئے ہمارے صوبہ کی "سیکولر" حکومت کے وزیر اعلےٰ گووند بلب پنت، نے فرمایا: "ہندوستانیوں کو یہ زیب نہیں دیتا۔ کہ وہ پاکستان کی نقل کرتے ہوئے اپنے ملک میں فرقہ وارانہ ماحول پیدا کریں" ۔۔۔ پاکستان میں تو خیر کیچڑ ہی پڑے ہیں ۔ لیکن پنت جی سے ہمیں صرف یہ دریافت کرنا ہے ۔ کہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ ماحول کیا صرف راشٹریہ سیوک سنگھ جن سنگھ۔ مہاسبھائی ہی پیدا کر رہے ہیں ۔ یا اس میں آپ کی حکومت کا بھی ہاتھ ہے کیا یہ واقعہ نہیں ہے ۔ کہ ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ فرقہ واریت آپ ہی کے صوبہ میں کی گئی۔ ہندی کے فروغ دینے کے بہانہ سے اردو کو مٹانے کا عزم سب سے پہلے آپ ہی کی "سیکولر حکومت" (لادینی حکومت)" نے شروع کیا ۔ مسلمانوں کو سرکاری ملازمت میں کلیدی عہدوں سے محروم رکھنے کی پالیسی پر کیا یوپی کے سوا اور کسی صوبہ میں پوری سختی کے ساتھ عمل کیا گیا ۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے ۔ کہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے فرقہ وارانہ فسادات کی تعداد میں آپ کے صوبہ یو۔ پی کا ریکارڈ تمام دیگر صوبوں سے بڑھا ہوا ہے ۔ پھر کیا آپ اس سے لاعلم ہیں ۔ کہ کھوکھراپار کے راستہ سے جو ہزاروں مسلم مہاجرین ترک وطن کر کے مغربی پاکستان چلے گئے ۔ اور اب بھی چلے جا رہے ہیں ۔ اس میں اسی فیصدی آپ ہی کے صوبہ کے مسلمان ہوتے ہیں ۔ کیا یہ سب کچھ پاکستان کی تقلید میں ہو رہا ہے"

بھارت کی حکومت نے ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار شائع کئے ہیں ۔ اس کے مطابق بھارت میں مسلمانوں کی تعداد ۳ کروڑ ۴۷ لاکھ ۷۷ ہزار ۱۸۱ ہے ۔ تمام بھارت میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ تعداد یو۔ پی میں ہے

اتر پردیش ۔ ۹۰،۲۸،۹۹۲

بہار	۴۶ و ۶۴ اور ۱۵
مغربی بنگال	۱۶۴۳، ۷۲ اور ۵۹
حیدر آباد	۱۸۲، ۷۰ ، ۲۲

یو۔پی میں اب بھی مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہے۔ پیلی بھیت۔ بریلی۔ بدایون مراد آباد۔ علی گڑھ، مظفر نگر (کھتولی) میں وسیع پیمانہ پر فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے ہیں۔ لکھنؤ میں میں اردو کانفرنس کے رضا کار مسٹر جعفر پر چاقو سے حملہ کیا گیا۔ اور مسٹر حیات اللہ انصاری ایڈیٹر قومی آواز (لکھنؤ) کو صرف اس جرم میں زدو کوب کیا۔ کہ یہ لوگ اردو کو یو۔پی میں علاقائی زبان تسلیم کرانے کی جدوجہد سے وابستہ ہیں۔

لیاقت نہرو معاہدہ کے مطابق بھارت کی حکومت اس بات پر راضی ہوگئی تھی۔ کہ وہ ان تمام پناہ گزینوں کو جو کہ یکم فروری ۱۹۵۰ء سے ۳۱ مئی ۱۹۵۰ء تک کھوکھرا پار کے راستہ سے پاکستان میں داخل ہوئے تھے۔ واپس لے لے گی۔ جن کی تعداد تقریباً ۲،۳۰،۸۱۹ ہے۔ لیکن بھارت کی حکومت نے اب تک صرف ۲۲،۵۸۴ پناہ گزینوں کو واپس لیا ہے۔ ان پناہ گزینوں میں اسی فیصدی یو۔پی کے باشندے ہیں۔

جب ان پناہ گزینوں کو ٹرین کھوکھرا پار سے لے کر بھارت کی سمت روانہ ہوئی تو یہ لوگ اس وقت بھی پاکستان کو نہ بھولے اور برابر "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگاتے رہے۔

یو۔پی کا مسلمان دنیا کے کسی خطہ میں ہو۔ لیکن وہ پاکستان کا ایک جانباز سپاہی ہے۔ ؎

داغ۔ ہر چند جہاں گرد ہے۔ ہرجائی ہے
آپ کے سر کی قسم۔ آپ کا شیدائی ہے

کاش پاکستان کی حکومت اس کی قدر کرتی۔ اور ان کے جذبات کے مطابق ان سے کام لیتی۔

ہندو تارکان وطن کے لئے تمام مغربی پاکستان ایک تسلیم شدہ علاقہ ہے جو مسلمان مہاجرین تسلیم شدہ علاقوں سے آئے ہیں۔ انہیں مغربی پاکستان میں زمینوں کا مستقل الاٹمنٹ دیا گیا ہے۔ لیکن جو مسلمان مہاجرین غیر تسلیم شدہ علاقوں ۔ دیو پی۔ بہار، سی پی وغیرہ سے آئے ہیں۔ انہیں زمینوں کا الاٹمنٹ عارضی طور پر کیا گیا ہے۔ کیا یہ پاکستان میں اقلیتی صوبوں کے مہاجرین اور خاص طور پر یو۔ پی کے مہاجرین کے ساتھ بے انصافی نہیں ہے۔ حالانکہ اپریل ۱۹۵۴ء میں متنفقہ اور غیر متنفقہ علاقہ کا امتیاز ختم کر دیا گیا ہے۔ لیکن بے انصافی کا سلسلہ ابھی تک بدستور ہے۔ مستقبل کے لئے یہ ایک بہت ہی زہر آلود بات ہے۔ کہ تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبوں کے امتیاز کو قائم رکھا جائے۔ یہ ایک ایسی بات ہے۔ جسے قائم رکھنا نہیں چاہیئے تھا۔ بلکہ چار برس پہلے۔ جب کہ نئی دہلی کی حکومت نے مغربی بنگال کو چھوڑ کر تخلیہ شدہ جائدادوں کا قانون تمام بھارت میں جاری کر دیا تھا۔ اس معاہدہ کو ختم کر دینا چاہیئے تھا۔

مسٹر احمد جعفر نے مہاجر کنونشن کے خطبۂ استقبالیہ میں فرمایا تھا:۔

"سب سے اہم مسئلہ اس منحوس اور غیر اسلامی تقسیم کا ہے۔ جسے طے شدہ اور غیر طے شدہ علاقہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور جس کی آڑ لے کر مہاجروں کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے۔ کہ وہ لوگ پاکستان کے دشمن ہیں۔ جو مہاجرین کی بدحالی اور دکھ درد سے کھیل رہے ہیں۔ اور اس تباہ کن فرق کو جلد سے جلد مٹانے کی راہ میں دشواریاں پیدا کر رہے ہیں۔"

بھارت میں مسلمانوں کو جبریہ تبدیلیٔ مذہب کا مسئلہ آج کل سب سے زیادہ روحانی تکلیف

ع۱ ڈان۔ ایڈیٹوریل۔ ۷ جولائی ۱۹۵۳ء

کا باعث بنا ہوا ہے۔ پاکستان کی حکومت نے اپنی بے بسی و لاچاری کا رونا رویا ہے۔ بس ان بے کس اور مظلوم بھارتی مسلمانوں کے دین و ایمان کا خدا ہی حافظ و ناصر ہے۔
مسٹر ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان نے بتلایا ہے:۔

"ہندوستان[1] میں اب تک ۹۲ فسادات ہو چکے ہیں۔ جبری تبدیلئ مذہب کے بارہ میں صحیح اعداد و شمار فراہم کرنا مشکل ہے۔ لیکن حال ہی میں ایک موقع پر ایک ہزار ۵ سو اشخاص کے جبری تبدیلئ مذہب کی خبر ملی تھی"

"پاکستان کے وزیر خارجہ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے پاکستان پارلیمنٹ میں شکایت کی۔ کہ پاکستان کے ہائی کمشنر متعینہ ہند مسٹر غضنفر علی خان کو اس ملک میں ہونے والے فسادات اور دوسرے واقعات کے بارہ میں مواد جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے؛

ارتداد اور ہجرت کے علاوہ مسلمانان بھارت کی آئندہ نسلوں کو بھارتی کلچر کا جو زہر آہستہ آہستہ پلایا جا رہا ہے وہ انتہائی خطرناک ہے:۔

تقسیم کے بعد پانچ[2] سال کا عبوری دور گزر چکا۔ طوفان قدرے تھما ہے۔ لیکن ایک طوفان اور ہے جو کلچرل سیلاب کی سطح کے نیچے پرورش پا رہا ہے۔ یہ طوفان خاموش ہے۔ لیکن اس طوفان سے جو جسم و جان اور مال و جائداد سے آگ اور خون کی ہولی کھیلتا ہے۔ زیادہ خطرناک ہے یہ طوفان دل و دماغ کی دنیا پر پلہ بولتا ہے۔ اور قوموں کے مزاج کو بدل ڈالتا ہے":

یو۔ پی میں مسلمانوں پر کس کس طریقہ سے مظالم کئے جا رہے ہیں۔ اس کے متعلق اخبار الجمیعۃ (دہلی) کا یہ نوٹ پڑھیئے:۔

"ہماری سمجھ میں آج تک نہیں آیا۔ کہ ہم حکومت یو۔پی کو جو ہندوستان بھر میں مسلم آزادی کیلئے مشہور ہو چکی ہے کن الفاظ میں یاد کریں۔ اور کس طرح سے اس کے شاندار کارناموں کو منظر

[1] مدینہ بجنور۔ یو پی ۹ ر اکتوبر ۱۹۵۲ء [2] ضیاء الحسن فاروقی۔ مدینہ بجنور ۱۳ ر فروری ۱۹۵۳ء

عام پر لائیں. وہ بلاشبہ اپنے کرتوتوں پر خوش ہولے. مگر اچھی طرح سمجھ لے کہ دنیا اندھی نہیں ہے. سب جانتے ہیں. کہ مسلمانوں کے بارہ میں. یو. پی گورنمنٹ کا مشن کیا رہا ہے. اور اب تک وہ کس راہ پر چل رہی ہے"

مجرمانہ قیادت

قائداعظم نے فرمایا تھا۔ "اتحاد، تنظیم، اور یقین محکم کے زریں اصول پر کاربند رہو"

جماعتی طاقت کے لئے یہ تینوں اصول نہایت ضروری ہیں۔ نماز کی بھی اس وقت تک تکمیل نہیں ہو سکتی۔ جب تک اتحاد اور تنظیم سے کام نہ لیا جائے۔ قرآن پاک میں مسلمانوں کو اتحاد و تنظیم کی اس طرح تلقین کی گئی ہے ۔ "تم سب اللہ کی رسّی کو اکٹھے ہو کر تھامے رہو۔ اور اپنی تنظیم کو منتشر نہ ہونے دو۔

دنیا کی کوئی قوم ہو، وہ صرف اس وقت تک زندہ کہلائی جاتی ہے۔ جب تک اس قوم کے اصول زندہ ہیں۔ جن کی بنا پر وہ قوم عالم وجود میں آئی تھی۔ اگر اس کے اصول ختم ہو گئے ہیں، تو وہ قوم مر چکی ہے۔ خواہ وہ ظاہر میں کتنی ہی شان و شوکت رکھتی ہو۔

پاکستان میں ہر فرد، خواہ وہ کسی جماعت کا لیڈر ہو۔ یا کوئی رکن سلطنت ۔ اپنی تحریر و تقریر میں قائداعظم کے ارشادات ۔ اتحاد، تنظیم اور یقینِ محکم ۔ کا اعادہ اپنا فرض سمجھتا ہے۔

سوال یہ ہے۔ کہ کیا پاکستانی۔ بانی پاکستان کے ان زریں اصولوں پر سچے دل سے عمل کر رہے ہیں ؟ کیا پاکستان کی تمام صفوں میں ایسا ہی اتحاد ہے۔ جیسا کہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں ہو سکتا ہے ؟ کیا ہم اپنی قوتِ بازو اور فولادی عزائم پر پورا پورا اعتماد رکھتے ہیں ؟ اس مسئلہ پر مسٹر محمد علی (بنگالی) وزیر اعظم پاکستان کے تاثرات زیادہ وزن رکھتے ہیں۔ بانی پاکستان کی پانچویں برسی پر مسٹر محمد علی نے کہا تھا۔

قائداعظم نے تین زریں اصول ہم کو بتائے تھے ۔ تنظیم، اتحاد۔ اور یقین محکم۔ میرے خیال میں ان تینوں اصولوں میں سے اتحاد کا اصول سب سے اہم ہے ۔ اس حقیقت

سے نہ آپ انکار کر سکتے ہیں۔ اور نہ میں۔ کہ قائدِ اعظم کی وفات کے بعد قوم کے اتحاد کو نقصان ضرور پہنچا ہے۔"

ہم اس وقت کس دور سے گزر رہے ہیں؟ اس بات کے جاننے کے لئے گورنر جنرل اور موقر روزنامہ ڈان کا تبصرہ پڑھنے کی چیزیں ہیں۔ اور یہ ہی کافی سے زیادہ ہیں۔

انگریزی روزنامہ" ڈان" کراچی کے ایک مقالۂ افتتاحیہ کا عنوان ہے ۔ مجرمانہ قیادت ۔ یہ اخبار حکومت پاکستان کا ایک نیم سرکاری اخبار ہے۔ اس مقالہ میں مدیر محترم کی تلخ نوائی ان کے درد دل کی صحیح کیفیت کا پتہ دیتی ہے میں نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کے بجائے یہ ہی مناسب سمجھا کہ اس مقالہ کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔

میں اگر کچھ بھی کہوں گا۔ تو شکایت ہو گی

محترم غلام محمد صاحب گورنر جنرل پاکستان نے مشرقی پاکستان کے دورہ کے سلسلہ میں قوم کے نام ایک پیغام میں کہا ہے — سب سے پہلے پاکستان کا مفاد عزیز رکھا جائے۔ — ہم ایک ہی خاندان کے رکن ہیں — اگر پاکستان مرتا ہے۔ تو کون زندہ رہے گا — اور پاکستان زندہ ہے تو کون مرے گا۔ — پاکستان ایک ناقابل تقسیم وحدت اور ہم سب کی مشترکہ میراث ہے — خواہ ہم مشرق میں رہتے ہوں یا مغرب میں — پاکستان کے لئے اس وقت سب سے زیادہ ضروری چیز قومی اتحاد کی ہے۔"

اس پیغام پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر ڈان تحریر کرتے ہیں — اس پیغام سے مرض کا تو پتہ چل جاتا ہے۔ لیکن اب تک کسی نے اس بیماری کا صحیح علاج نہیں بتلایا۔ اور نہ اب تک ان حقائق کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس حقیقت کے اظہار کی گورنر جنرل کو اس وقت کیا ضرورت پیش آگئی ہے؟۔

اس کے تین اسباب ہیں — پہلی بات یہ ہے۔ ابھی جبکہ ہماری قومی وراثت ہی مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں ہوئی۔ دعویداران وراثت نے لڑنا شروع کر دیا ہے۔ دوسری بات

یہ ہے۔ کہ اس مہلک مرض میں ہمارے ملک کے جمہور مبتلا نہیں ہیں۔ بلکہ صرف وہ مٹھی بھر افراد مبتلا ہیں۔ جو کہ لیڈر (قائد) کہلاتے ہیں۔ تیسری بری بات یہ ہے۔ کہ وہ جماعت جو مسلم لیگ کہلاتی ہے اور جس کا جائز دعویٰ ہے۔ کہ اس نے پاکستان کی جنگ میں فتح حاصل کی ہے۔ اور جس نے ملت کی خاطر ماضی میں شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ اور پاکستان کے عالم وجود میں آنے سے اب تک مرکز اور صوبوں میں جس کی وزارتیں برسر اقتدار ہیں۔ آج وہ جماعت نا اتفاقی۔ بے ضابطگی اور تخریبی رجحانات کا اکھاڑا بن گئی ہے۔

زیادہ واضح اور صاف الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ پاکستان کے عوام کے رہنما پاکستان کے عوام کے مفاد کو تقریباً پس پشت ڈالنے والے ہیں۔ اور انہوں نے قائد اعظم کے ان ارشادات کو۔ اتحاد، یقین محکم اور تنظیم۔ ہی میں پاکستان کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ بھلا دیا ہے۔ یہی لوگ ہیں۔ جو کہ جاہ و اقتدار کے لئے برسرپیکار ہیں۔ یہ ہی وہ لوگ ہیں۔ جو اپنی جماعت میں ذاتی اغراض، بدگمانی نا اتفاقی اور نفرت کے جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان میں سے چند تو اس حد تک بڑھ گئے ہیں۔ کہ اخباروں اور پلیٹ فارم سے ایک ایسی مہم جاری کر رکھی ہے۔ کہ جس سے قومی اتحاد کے شیرازہ کے منتشر ہونے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ مرکزی وزارت میں نفاق و افتراق پیدا ہو گیا ہے لیگ میں مختلف گروہ۔ اعلیٰ کمان کو مختلف سمتوں میں کھینچ رہے ہیں۔ اور صوبوں کے چند ارباب اقتدار اور سیاسی رہنماؤں کے افعال سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ واحد قومی طاقت یعنی مرکزی قیادت کی نافرمانی پر تلے ہوئے ہیں۔ جن لوگوں کے شانوں پر قوم و سلطنت کی ذمہ داری و رہنمائی کا بار گراں رکھا ہوا ہے۔ انہیں ان حقائق عریاں پر غور کرنا چاہیئے۔ اور حکومت کے حاکم اعلیٰ سے لے کر ایک چھوٹے صوبہ کے ادنیٰ وزیر تک کو اول اپنا دل ٹٹولنا چاہیئے۔ اور اسی طرح مسلم لیگ کے رہنماؤں کو اول اپنے افعال کا جائزہ لینا چاہیئے۔ اور یہ محسوس کرنا چاہیئے۔ کہ یہ زہر صرف انہی تک محدود ہے۔ اور پاکستان کے تمام جمہور کے قلوب

بالکل پاک وصاف ہیں۔ ان رہنماؤں کو یہ بھی جاننا چاہیئے۔ کہ اگر وہ اپنے زہر کے علاج میں کامیاب نہ ہو سکے۔ تو حقیقت میں وہ قوم کو لے ڈوبیں گے اور پاکستان کو تباہ کر ڈالیں گے .... ان لوگوں کو اس دھوکے میں نہیں رہنا چاہیئے۔ کہ پاکستان کے عوام اس بات سے واقف نہیں ہیں۔ کہ دستوری سفارشات کے پردہ میں کیا ہو رہا ہے؟

(۷ رفروری ۱۹۵۳ء۔ اقتباس)

محترم ایڈیٹر ڈان نے مندرجہ بالا مضمون اس وقت لکھا۔ جب الحاج خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم تھے۔ لیکن پانچ ماہ کے بعد جب کہ مسٹر محمد علی (بنگالی) وزیر اعظم ہیں (ڈان کے جذبات کا مطالعہ کیجئے)

ڈان کا اداریہ مورخہ ۱۷ رجون ۱۹۵۳ء ار

گورنر جنرل نے ملک کی ہیئت حاکمہ میں اچانک اور ڈرامائی انداز میں جو ردو بدل کیا تھا۔ اس کے دو ماہ بعد تک بھی عوام کے سیاسی خیالات میں ایک عدم توازن کی کیفیت ہے ....

. . . .

آج پاکستان کا وقار تنزل کے انتہائی نقطۂ نظر پر ہے۔ ہمارے کئی دوست جو دنیا کے مختلف ملکوں میں بستے ہیں، ہم سے گہری ہمدردی رکھتے ہیں۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم پر رحم کھا رہے ہیں۔ ان کا زاویہ نگاہ کچھ اس طرح کا ہے۔ "بدقسمت پاکستانیوں کو بڑی بڑی مشکلات کا سامنا ہے۔ وہ اپنے نوزائیدہ ملک کو چلانے میں دقت محسوس کر رہے ہیں۔ ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو چکا ہے۔ ہم ان کی اندرونی مشکلات میں کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمیں ان کے لئے حالات کو اور سنگین نہیں بنانا چاہیئے۔"

یہ ہے وہ حالت جو ہم نے اس ملک کی کر رکھی ہے۔ جو دنیا کی پانچویں عظیم ترین اور اسلامی دنیا کی سب سے بڑی مملکت ہے، اور جس کی بنیادیں، اتحاد، تنظیم اور یقین محکم پر اٹھائی گئی تھیں۔ آہ! آج پانچ سالوں کے مختصر عرصہ میں ہم نے کتنی بڑی ہزیمت اٹھائی ہے۔ حالانکہ جنگ آزادی میں کھائے ہوئے بیشمار زخم ابھی تک مندمل نہیں ہوئے ہیں۔"

صوبائی عصبیت

قائد اعظم کے ارشادات :-

(۱) اے میرے عزیز ہم وطنو — اب تم ایک قوم ہو۔ ایک آزاد جمہوریت کے مالک ہو۔ تمہاری جمہوریت نہ کسی پنجابی کی ذاتی ملکیت ہے۔ نہ سندھی کی، نہ پٹھان کی اور نہ بنگالی کی۔ صرف تمہاری ہے۔ لہٰذا تم اگر خود کو مستحکم اور غیر فانی بنانا چاہتے ہو۔ تو خدا کے واسطے صوبائی تعصب چھوڑ دو۔

(۲) بڑی ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ آپ اپنے کو پنجابی۔ سندھی، بلوچی وغیرہ کہنا اور سمجھنا چھوڑ دیں۔

تقسیم ہند سے قبل مخالفین پاکستان مسلمانوں سے کہا کرتے تھے۔ کہ تم کہتے ہو۔ کہ تم ایک ملت ہو۔ لیکن تم ایک ملت کس طرح کہے جا سکتے ہو۔ بنگالی مسلمان، مدراسی مسلمان، بمبئی کے مسلمان، پنجابی مسلمان۔ سندھی مسلمان اور پٹھان مسلمان میں کوئی بات مشترک نہیں ہے۔ تم لوگ زبان تہذیب۔ لباس وغیرہ وغیرہ میں اس قدر ایک دوسرے سے مختلف ہو۔ کہ کوئی تمہیں ایک ملت نہیں سمجھ سکتا ہے۔ قائد اعظم کی قیادت میں ہم نے دشمنان پاکستان کے اعتراضات کو بالکل غلط ثابت کر دکھایا اور انہیں بتا دیا۔ کہ اسلام کا رشتہ ہمارے درمیان ایسا مضبوط ہے جس کے سامنے مقامی رسم و رواج اور ثقافت بالکل بے معنی ہے۔ یہ ایک سچائی تھی۔ اور سچائی ہمیشہ قائم رہنے والی چیز ہے۔ لیکن آج کل پاکستان میں پاکستان کے رہنماؤں نے تنگ خیالی کا قابل نفرت مظاہرہ کیا ہے۔

پاکستان میں دو تین بیماریاں نئی پیدا ہو چکی ہیں۔ جن میں سے ایک مہلک بیماری صوبائی عصبیت ہے۔ جو بڑی سرعت سے بڑھ رہی ہے۔ اور کوئی صوبہ ایسا نہیں جو اس سے خالی ہو کہیں کم اور

ڈان کراچی ۱۲ اپریل ۱۹۵۳ء

کہیں زیادہ ۔ یہ حالت ہو گئی ہے ۔ قومی نقطہ نگاہ سے سوچنا۔ اور دیکھنا چھوڑ دیا ہے
ہر صوبہ کو اپنا گدھا۔ دوسرے کے گھوڑے سے اچھا نظر آتا ہے۔ حمام میں سب ننگے ہیں"

قائداعظم کی عقابی نگاہوں نے مسلمانان پاکستان کی تنگ خیالیوں اور صوبہ پرستی کے
رجحان کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ انہوں نے صوبائی عصبیت کی لعنتوں سے قوم کو آگاہ کیا

"بارہا نالید۔ و۔ گفت۔ اے قوم ما بیدار شو"

انہوں نے متعدد بار قوم سے کہا۔ "جب تک صوبائی عصبیت ختم نہیں ہوتی۔ اس
وقت تک پاکستان کی قومیت کا صحیح احساس پیدا نہیں ہو سکتا"۔

آج کل پاکستان[۱] میں صوبائی عصبیت اور تنگ نظری اس قدر شدت اختیار کر
گئی ہے۔ کہ معقولیت اور توازن کا دامن ہاتھ سے چھوٹ رہا ہے۔ اور نفع و
نقصان کی تمیز مٹتی جا رہی ہے۔ ....

..... پچھلے ہفتہ انجمن اتحاد پختون نے وزیر اعلیٰ سرحد و وزیر خوراک ۔ انجمن
مسلمانان پنجاب نے وزیر اعلیٰ پنجاب ۔ اور سندھی مجلس نے وزرائے
سندھ ۔ کے اعزاز میں۔ دعوتیں دیں۔ ..... سندھی مجلس کی دعوت
طعام میں جو تقریریں ہوئیں۔ وہ انتہائی شر انگیز اور مشتعل کرنے والی تھیں مقررین
نے بار بار یہ مطالبہ کیا۔ کہ تمام غیر سندھی ملازموں کو ملازمتوں سے نکال دیا جائے
ان کی جگہ سندھیوں کا تقرر ہو۔ اور صوبہ میں جو غیر سندھی آباد ہیں۔ ان کو کسی قسم کی
مراعات نہ دی جائیں۔ ہماری اطلاع یہ ہے۔ کہ اس جلسہ میں صوبہ سندھ کے
وہ تمام رہنما اور لیڈر بھی موجود تھے جو اپنے آپ کو عوامی رہنما کہتے ہیں ......

[۲]............ وزیر اعظم پاکستان مسٹر محمد علی بنگالی کا یہ کہنا ۔ کہ
صوبائی عصبیت کے خلاف ان کے انتباہ کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے ....

---

[۱] پاکستان پارلیمنٹ میں سردار امیر اعظم خان کی تقریر ۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۵۳ء نئی روشنی کراچی [۲] اقتباس از ایڈیٹوریل روزنامہ امروز کراچی

قابل تسلیم نہیں .... سندھ کے وزراچپ سادھے بیٹھے رہے اور انہوں نے ناسمجھ مقررین کی اصلاح کے لئے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا"

صوبائی تعصب کی ایک بدترین مثال یہ ہے :-

دارالسلطنت کراچی میں جو حقیقت میں مہاجروں کا شہر ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ایک مشہور کالج کے پرنسپل نے ایک مہاجر طالب علم کو کالج میں داخلہ سے صرف اس بنا پر انکار کر دیا۔ کہ مہاجر طالب علموں کے لئے اب جگہ باقی نہیں رہی ہے حالانکہ وہ طالب علم میٹرک کے امتحان میں اول درجہ میں پاس ہوا تھا۔ اور اعلےٰ حیثیت حاصل کی تھی"

"قائداعظم محمد علی جناح اور قائد ملت لیاقت علی خان کی زندگی میں کسی صوبہ کے وزیر اعلےٰ یا وزیر کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ صوبائی بنیاد پر اپنے صوبہ کے لئے مطالبات پیش کرے .....
آج قائد ملت کی شہادت کو پورے چالیس روز بھی نہیں ہوئے کہ بعض وزرا نے صوبائی تعصب کا راگ الاپنا شروع کر دیا ہے .... سندھ کے وزیر اعلےٰ نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ کسی سندھی کو گورنر بنایا جائے۔ نیز سندھ کے کسی ڈپلومیٹ کو سفیر بنا کر بھیجا جائے"

قائداعظم کی برسی پر محترمہ فاطمہ جناح نے فرمایا تھا :-

(۱) ہمارے ملک میں صوبہ واریت، فرقہ بندی، اور دوسرے ضمنی امتیازات کو ابھارا گیا ہے۔ تاکہ ملک کی ترقی کی راہ میں حائل ہو جائیں۔ گزشتہ پانچ سال میں حکومت اور عوام کے تعلقات خوشگوار نہیں رہے ہیں"

(۲) خاتون پاکستان محترمہ فاطمہ جناح نے فرمایا[۳] کہ عرصہ سے پاکستان میں صوبائی عصبیت کے غیر صحت مند اور خطرناک رجحانات نمایاں ہو رہے ہیں۔ جو انتہائی طور پر قابل مذمت ہیں۔ کیونکہ

ڈان کراچی۔ اداریہ ۔ ۸ جولائی ۱۹۵۲ء ۔ ۲ روزنامہ انجام کراچی ۔ ۱۰ نومبر ۔ ۳ کراچی ۱۴ ر مارچ ۱۹۵۲ء سندھ مسلم کالج کی تقریب میں تقریر کرتے ہوئے

یہ پاکستان کے بنیادی تصور کی جڑیں کاٹتے ہیں۔

قائداعظم کے جشنِ ولادت پر صوبہ پرستی کی لعنت کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر غلام محمد گورنر جنرل پاکستان نے فرمایا تھا[1]۔

"یہ ایک دردناک حقیقت ہے کہ قائداعظم نے آج سے چار سال پہلے ہم کو جو تنبیہہ کی تھی۔ وہ آج بھی معنی خیز ہے۔ انہوں نے اعتراف کیا۔ کہ یہ زہر اب تک جسم سیاست میں موجود ہے۔ اور ہم اس خطرہ سے بالکل غافل ہیں۔ کہ یہ زہر ایک دن پورے نظام کو مفلوج کر دے گا۔ بلکہ اس کی وجہ سے پاکستان کی ہستی تک خطرہ میں ہے"۔

یوم پاکستان کے موقع پر قوم کے نام ایک پیغام نشر کرتے ہوئے گورنر جنرل مسٹر غلام محمد نے صوبائی عصبیت کے متعلق فرمایا تھا[2]۔

فرقہ پرستی کے پہلو بہ پہلو صوبائی عصبیت بھی ہماری زندگی میں ایک سیاہ دیو کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس کو مغلوب کرنا بھی ہمارا اتنا ہی بڑا فرض ہے۔ بعض لوگ مشرقی اور مغربی پاکستان میں ایسے سیاں کے بھی موجود ہیں۔ جو پاکستان کے استحکام پر اپنے صوبائی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ ہماری وحدت اور سالمیت کے بدترین دشمن ہیں۔ اور ان کی تنگ نظری قوم کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی۔ ان سے ہم سب کو احتراز کرنا چاہیئے"۔

مسٹر فضل الحق کا بیان[3]۔ مشرقی پاکستان ہی پاکستان کا واحد یونٹ ہے۔ جہاں ایک زبان ہے ایک نسل ہے۔ اور ان کا ایک ہی تمدن ہے۔

---

[1] کراچی ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۲ء [2] ۱۷ر اگست ۱۹۵۳ء امروز کراچی۔ [3] ڈھاکہ ۴ر مارچ ۱۹۵۴ء

آباد کاری کے متعلق مشاہیر پاکستان کے خیالات

قائد اعظم کے ارشادات :-

(۱) پاکستان خواہ دیوالیہ ہو جائے ایک ایک مہاجر کو آباد کیا جائے گا۔

(۲) جب تک ہم سب مہاجرین کو آباد نہیں کر لیں گے۔ تب تک ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے

(۳) جب تک ہم مہاجرین کو آباد نہیں کر لیتے۔ ہم پر عیش و آرام حرام ہے۔

شہید ملت لیاقت علی خان جب تک زندہ رہے ہر طریقے سے مہاجروں کی دل جوئی کرتے رہے۔ وہ مہاجروں کے سچے غمگسار تھے۔ مہاجران سے دیوانہ وار محبت کرتے تھے وہ ہمیشہ اپنی تقریروں میں فرمایا کرتے تھے :-

"دفاع کے بعد مہاجروں کی آباد کاری کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے"

جناب لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد مہاجرین کی آباد کاری کے متعلق ملک میں جو جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ وہ رفتہ رفتہ سرد پڑ گیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے انتقال کے بعد مہاجرین کے مسائل کو کس حد تک سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا صحیح اندازہ ذمہ دار اور مشاہیر ملک کے مندرجہ ذیل بیانوں اور تقریروں سے کیا جا سکتا ہے :-

جناح عوامی لیگ کے لیڈر حسین شہید سہروردی کی تقریر کا خلاصہ :-

مجھے افسوس ہے کہ حکومت اپنے شغلوں میں گرفتار ہے۔ اور مہاجرین کے اصل مسئلہ پر توجہ نہیں دے رہی ہے۔ یہ حکومت کراچی کو صاف ستھرا بنانا چاہتی ہے۔ ان گندے۔ بے گھر۔ بے سہارا مہاجروں کو غیر ملکیوں کی نظر سے چھپانا چاہتی ہے۔ تاکہ اس پر کوئی الزام نہ آئے۔ اس لئے انہیں کراچی سے نکال کر ایسی جگہ پھینکا جا رہا ہے۔ جو سانپوں اور بچھوؤں کا مامن ہے۔ اور جہاں ہر وقت ریت اڑتی رہتی ہے ۔۔۔ ڈرگ روڈ میں مہاجرین کی آباد کاری کی اسکیم ۵ سال پرانی ہے ۔۔۔ لاکھوں روپیہ

خرچ کر کے بھی حکومت مہاجرین کو جانوروں کی طرح رکھنا چاہتی ہے۔ اور اسے آبادکاری کا نام دیتی ہے۔

انجام کراچی۔ ۱۳ر ستمبر ۱۹۵۲ء

سردار عبدالرب نشتر

(۱) ہماری حکومت چھ سال تک ان مشکلات کا حل معلوم نہ کر سکی۔ تو وہ بڑی انجان اور بہری حکومت ہے — مہاجرین کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنے سے یہ مسئلہ طے نہیں ہوگا۔ کیونکہ نہرو کے طعنے یا غیر ملکیوں کی آنکھوں سے بے گھر اور بے در مہاجرین کو چھپانے سے مہاجر آباد نہیں ہو سکتے ہیں۔

پاکستان میں ہندو اور سکھ اتنی جائداد چھوڑ گئے تھے۔ کہ تمام مہاجرین آباد ہو سکتے تھے۔ لیکن ان جائدادوں پر مقامی حضرات نے قبضہ کر لیا۔ اور لالچ میں آکر بڑے بڑے لوگوں اور زادیوں کے پاؤں پھسل گئے۔

(خطبہ صدارت کا اقتباس) امروز کراچی ۴ر اکتوبر ۱۹۵۳ء

(۲) آج یہ افسوسناک صورت حال اس ملک میں پیدا ہو گئی ہے۔ کہ لوگ مہاجرین کو غیر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ یہ دوسروں کی زمین پر اپنی حکومت کرنا چاہتے ہیں — خاص طور پر کراچی میں بسنے والے مہاجرین کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ وہ سندھیوں کے حقوق غصب کر رہے ہیں میں ان لوگوں سے کہتا ہوں۔ کہ خدارا ایسی فتنہ انگیز باتیں نہ کرو۔ میں یہ پوچھتا ہوں۔ کہ کراچی میں مہاجرین جن زمینوں یا مکانوں پر قابض ہیں۔ وہ سندھی مسلمانوں کی جائدادیں ہیں۔ یا ہندوؤں کی — سب جانتے ہیں۔ کہ کراچی کی ۷۶ فیصدی آبادی ہندو تھی۔ اور بقیہ ۲۴ فیصدی مسلمان۔ وہ بھی اونٹ گاڑی یا گدھا گاڑی چلانے والے۔ اس طرح یہ پوری اسٹیٹ ہندوؤں کی ملکیت تھا۔ پھر مہاجر نے آج کس طرح سندھی بھائیوں کے حق پر قبضہ کر لیا ہے۔ مہاجر تو ان ہندوؤں کی جائدادوں پر قابض ہیں جنہوں نے بھارت جا کر ان مہاجرین کی جائدادوں پر قبضہ کر لیا ہے۔

(دلیر۔ کراچی کے ایک جلسہ عام کی تقریر۔ ۲۲ر نومبر ۱۹۵۳ء)

(۳۲) — (۱) پاکستان دس کروڑ مسلمانوں کے لئے وجود میں آیا تھا۔ اور صرف اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کی قربانیوں سے حاصل ہوا تھا۔
(۲) تقسیم سے قبل سوائے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کے اور کسی صوبہ نے پاکستان کی کی تحریک کی مسلسل حمایت نہیں کی
(۳) مہاجرین نے بے دریغ قربانیاں دے کر پاکستان کو آزاد کیا ۔صرف آج کے مہاجر اور کل کے اقلیتی صوبوں کے مسلمان ہی تھے جنہوں نے قیام پاکستان کے لئے مسلسل جدوجہد کی
(۴) پاکستان کا کوئی صوبہ ایسا نہیں ہے جس نے قیام پاکستان کا مطالبہ مسلسل کیا ہو۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک سرحد اور پنجاب میں مسلم لیگ کی حکومتیں نہ تھیں۔ سندھ اور بنگال کی حکومتیں بھی آئے دن بدلتی رہتی تھیں۔ اس کے برعکس اقلیتی صوبوں۔ یو۔پی۔ بہار۔ سی۔پی۔ مدراس بمبئی وغیرہ کا کیا عالم تھا۔ وہاں کے مسلمان قائداعظم کی آواز پر لبیک کہہ کر ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور آخر دم تک ان کے ساتھ رہے۔ اس لئے انہوں نے کیا کیا مصائب نہیں اٹھائے کانگریسی حکومتوں نے ان پر کیا کیا ظلم نہ توڑے ۔لیکن وہ دیوار آہن کی طرح ڈٹے رہے یہ ان ہی کی جرأت، عزم وہمت اور ایثار تھا۔ جس نے پاکستان بنایا۔ (۵) پاکستان اکثریتی صوبوں نے نہیں بنایا، کیونکہ انہوں نے مسلم لیگ کا مستقل ساتھ نہیں دیا۔ بلکہ اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے بنایا۔ دس لاکھ مسلمان شہید ہوئے۔ ۵۰ ہزار خواتین کی عصمتیں لٹیں۔ اسی ہزار مہاجر آج بھی ہر طرح تکالیف میں مبتلا ہیں۔ اور پونے چار کروڑ مسلمان آج بھی بھارت میں ہندوؤں کے غلام ہیں۔ ۲۲ر نومبر ۵۳ء — وزیر مہاجرین وآبادکاری مسٹر شعیب قریشی۔ حیدرآباد ۱۳ر ستمبر ۵۳ء۔ (۱) میں نے لطیف آباد کی بستی کا معائنہ کیا ہے ۔یہاں پندرہ ہزار مہاجروں کو آباد کیا جائیگا۔ لیکن یہ سمندر سے ایک قطرہ کے برابر کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ حیدرآباد کے فٹ پاتھوں پر اسی ہزار مہاجرین پڑے ہوئے ہیں (۲) کوئی بھی ایسا آدمی خواہ وہ حکومت سے تعلق رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ اگر مہاجرین کی تکلیف دور کرنے کی کوشش نہ کرے یا یا اس میں رکاوٹ ڈالے ۔تو وہ فاسق وفاجر ہے۔ اس لئے مہاجرین ہی وہ لوگ ہیں ۔جنہوں نے پاکستان کی حمایت میں۔ اپنی جان۔ مال، گھر بار، عزت وآبرو۔ سب کچھ قربان کر دیا۔ (۴) ۱۹ر نومبر ۵۳ء جلسہ میلادالنبی ڈرگ روڈ کالونی کراچی

مولانا عبد القیوم کانپوری کا بیان :- مہاجرین کے لئے حکومت سندھ نے کوئی تعمیری قدم نہیں اٹھایا ہے۔ بلکہ بیان بازی کے پرانے طریقوں سے کام لیا جارہا ہے۔ سندھ سے ہندوستان کان وطن کی تعداد ۱۲ لاکھ ہے۔ لیکن حکومت کی بد انتظامی کی وجہ سے مہاجر بے گھر پڑے ہیں" (حیدر آباد سندھ۔ ۲ر جولائی ۱۹۵۳ء)

قاضی محمد اکبر۔ وزیر بحالیات سندھ : حیدر آباد سندھ میں پچاس ہزار بے گھر مہاجرین کو آباد کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ۔ مہاجرین جس حالت میں رہتے ہیں۔ وہ اس قابل نہیں۔ کہ ان میں انسان رہ سکیں"

مسٹر احمد جعفر کا خطبہ استقبالیہ ـــ مہاجر کونشن)

سب سے اہم مسئلہ اس منحوس اور غیر اسلامی تقسیم کا ہے۔ جسے طے شدہ اور غیر طے شدہ علاقے کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور جس کی آڑ لے کر مہاجروں کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ۔ مہاجرین کی آباد کاری کی راہ میں دوسری رکاوٹ یہ ہے۔ کہ مرکزی حکومت کی طرف سے واضح پالیسی صوبہ جات کو نہیں دی جارہی ہے۔ اس کے علاوہ مرکز کا کنٹرول صوبہ جات کی آباد کاری کی پالیسی پر نہیں رہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ہر صوبہ من مانی طور پر آباد کاری کی کاغذی اسکیم چلاتا رہا ہے۔ کسے علم نہیں۔ کہ صوبہ سرحد میں آباد کاری اور بحالی کا کوئی کام ہوا ہی نہیں ہے۔ سندھ میں آج بھی دو تین سال سے زرعی زمین پر آباد مہاجرین کو زمینوں سے بے دخل کیا جارہا ہے۔ حیرت کا مقام ہے۔ کہ سندھ اور کراچی کے علاقہ میں زرعی اور شہری جائدادوں کے صحیح ریکارڈ تک نہیں ہیں۔ ایسا سمجھ لیا گیا ہے۔ کہ یہ متروکہ جائدادیں پاکستان کی دولت نہیں ہیں۔ انہیں جس طرح بھی ممکن ہو برباد کیا جائے۔ اسے مہاجر دشمنی نہیں بلکہ ملک و قوم سے غداری کے برابر سمجھنا چاہیئے تقسیم ہند کے بعد سے لاکھوں ایکڑ زمین جس پر کاشت ہوتی تھی۔ غیر مزروعہ پڑی ہوئی ہے۔ اور کاغذات میں غیر آباد دکھائی جارہی ہے۔ تاکہ مہاجرین کو آلاٹ نہ کی جاسکے ـ سندھ میں یہاں تک ہو رہا ہے۔ کہ مہاجرین پر زبان کی پابندی لگا کر تین تین چار۔ چار سال کے سرکاری ملازمین کو الگ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

(انجام کراچی۔ ۴ر اکتوبر ۱۹۵۳ء)

مسٹر محمد علی (بنگالی) وزیر اعظم پاکستان :-

برصغیر کے مسلم اقلیتی صوبوں کے لوگوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں، مسلم اکثریت کے صوبوں نے کچھ نہیں کھویا بلکہ زیادہ سے زیادہ آزادی اور حاصل ہوگئی۔ اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے یہ جانتے ہوئے کہ قیام پاکستان کے بعد وہ ایک غیر ملکی حکومت کے رحم وکرم پر رہ جائیں گے زبردست قربانیاں دے کر مطالبۂ پاکستان کی تائید کی ہمیں اپنے سر ندامت سے جھکا لینے چاہئیں کہ ہم ان علاقوں سے آئے ہوئے مہاجرین کے ساتھ پورا انصاف نہیں کر سکے۔ ان لوگوں کا گھر بار چھوٹا۔ بہن بھائی اور عزیز مارے گئے۔ در اصل انہوں نے قربانی دی۔ اور جب تک ان کو آباد نہ کر دیں۔ ہم پر ایک بھاری ذمہ داری عاید رہے گی۔

مسٹر حسین امام :-

اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کے مطالبہ سے پاکستان وجود میں آیا۔ انہی مسلمانوں کو آج نااہل کہا جاتا ہے۔ انہی نااہل مسلمانوں نے ہر قسم کی قربانیاں دے کر چھ کروڑ مسلمانوں کو آزاد کرایا۔ تاریخ ہی اس بات کا فیصلہ کرے گی۔ کہ کون نااہل ہے اور کسے اپنا گھر بھرنے کی فکر ہے۔ (کراچی ۵ ستمبر ۱۹۵۲ء)

محترمہ فاطمہ جناح ـــ مہاجرین نے حصول پاکستان کے سلسلہ میں جو گراں بہا قربانیاں پیش کی ہیں۔ انہیں ہم کبھی بھلا نہیں سکتے۔ اور نہ ہی ہم ان مصائب کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ جن سے وہ آج بھی دوچار ہیں ـــ ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے۔ کہ یہ ایک انسانی معاملہ ہے اور ہم اتنی کثیر مخلوق کو عرصہ دراز تک جان کنی کی حالت میں نہیں چھوڑ سکتے۔

(پیغام برائے مہاجر کنونشن۔ امروز کراچی ۴؍ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

مسٹر مظفر علی خان قزلباش ۔ وزیر پنجاب :۔
ایسی بہ کثرت مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں ۔ کہ مہاجرین کو وہ الاٹ منٹ دیدیئے گئے ہیں جو صرف کاغذ پر ہیں ۔ مہینے گزرنے کے بعد بھی پریشان حال مہاجر کو قبضہ نہیں مل سکتا ہے اگر کسی کو قبضہ مل بھی گیا ہے ۔ تو خوف وخطرہ سے ہر وقت دل پریشان رہتا ہے ۔ خدا جانے کس وقت الاٹ منٹ منسوخ کر دیا جائے ۔ (ڈان ۷ر جولائی ۱۹۵۳ء)

میر لائق علی سابق وزیر اعظم حیدر آباد ۔ دکن :۔ کیا آپ ان لاکھوں مسلمانوں کے خون کو بھول گئے ۔ جو تقسیم ہند سے پہلے اور تقسیم ہند کے بعد آپ کے ملک (پاکستان) کی خاطر بہایا گیا کیا آپ ان لاکھوں یتیموں اور بسیروں سے غافل ہوگئے ۔ جو آج تک اسی کرب واضطراب میں ہیں ۔ آج پاکستان میں تقریباً ایک کروڑ مہاجر ہیں ۔ جن میں سے بیشتر کی حالت انسانی معیار سے گری ہوئی ہے ۔ ـــــ پاکستان میں اخلاقی پستی کا یہ عالم ہے ۔ کہ کم سے کم فائدہ کے لئے ملک وقوم کے مفاد کو قربان کیا جاتا ہے ۔ آج پاکستان کو دنیا کی قوموں میں وہ جگہ حاصل نہیں ہے ۔ جو قائد اعظم کی وفات کے بعد تھی ۔ آج دنیا حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے ۔ اور یہ کہتی ہے ۔ کہ یہ عاقبت نا اندیش ۔ خود غرض اور کوتاہ نظر لوگوں کی بستی ہے ۔
(کراچی ستمبر ۱۹۵۳ء یوم حیدر آباد کے موقع پر جلسہ عام میں)

ڈاکٹر اے ۔ ایم ۔ ملک ۔ وزیر صحت پاکستان :۔ ابتدا ہی سے مہاجرین کی قربانیوں تباہیوں ۔ بہتے ہوئے آنسوؤں اور جدوجہد کو میں اپنے خون چکاں دل سے بہت ہی ...... توجہ کے ساتھ دیکھتا رہا ہوں ۔ حکومت پاکستان اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود مہاجرین کی آباد کاری کے مسئلہ کا دسواں حصہ بھی حل نہیں کر سکی ۔ مہاجر جانوروں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں ۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے ۔ کہ اس زبردست مسئلہ کو حل کرنے میں کتنا وقت صرف ہوگا ۔ اس مسئلہ کی وسعت کے مقابلہ میں جو کچھ ہوا ہے ۔ وہ سمندر میں قطرہ کے برابر ہے

مہاجر بستیوں میں پینے کے پانی کا معقول انتظام نہیں ہے۔ نہ صفائی کا بندوبست ہے اسکول بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور وہ بھی بہت دور۔ طبی سہولتیں ناکافی ہیں۔
(روزنامہ ڈان کراچی ۷ر اگست ۱۹۵۳ء)

سندھ کے وزیر صحت۔ پیر علی محمد راشدی کا بیان:۔
(۱) مہاجرین کو اچھی خوراک نہیں ملتی۔ اس لئے ان میں وبائی امراض سے مدافعت کی سکت باقی نہیں ہے۔ ۱۷ر جون ۱۹۵۳ء
(۲) خاص کر ان مہاجرین کی حالت قابل رحم ہے۔ جو ہمارے بڑے بڑے شہروں میں جمع ہیں۔ انہیں نہ تو پیٹ بھر کر روٹی ملتی ہے اور نہ تن ڈھانکنے کو پورا کپڑا ملتا ہے۔ اس لئے یہ وباؤں کی زد میں ہیں۔ مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ان مہاجرین کو تکلیف و موت سے بچانے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا ہے۔" (۲۱ر جون ۱۹۵۳ء)

غیر کیا کہتے ہیں

سنو سنو. وہی جو تم کو غیر کہتے ہیں
نہیں. نہیں. تمہیں. کیوں میرا اعتبار آئے

برطانوی لیبر لیڈر اور سابق وزیر صحت مسٹر بیون نے جو کراچی میں چار روز قیام کرنے کے بعد لندن روانہ ہو گئے ہیں. اپنے ایک بیان میں کراچی میں مکانات کی قلت کا تذکرہ کیا. اور اس امر پر اظہار افسوس کیا. کہ ایک طرف تو بڑی بڑی عالی شان عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ اور دوسری طرف مہاجرین بے خانماں پڑے ہیں. (روزنامہ انجام. کراچی۔ ۱۷ مارچ ۱۹۵۳ء)

پاکستان کے دورہ پر آنے والے امریکی طلبا کے وفد کے تاثرات.
کراچی کے کیمپوں میں مہاجر غیر انسانی حالات میں زندگی گزار رہے ہیں.
وزیر پاکستان کی شاندار کوٹھی اور مہاجروں کی غلیظ کوٹھریوں میں زبردست تضاد

پشاور۔ ۱۴ جولائی ۱۹۵۳ء ۔ امریکی طلبا کے وفد نے جو کراچی سے یہاں پہونچا. بتایا. کہ انہیں کراچی میں چیچک کے داغوں سے بھرے ہوئے چہروں والے. سوکھے ہوئے. بھوکے ننگے بچے دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی ہے. وفاقی دارالحکومت میں انہوں نے اکثر بچوں کو دیکھا. جن کے زخموں پر پٹی تک نظر نہیں آتی تھی. انہوں نے کہا کہ کراچی میں غلاظت کے اتنے بڑے بڑے انبار لگے رہتے ہیں. کہ اس کے متعلق یقین تک کرنا مشکل نظر آتا ہے. انہوں نے کراچی میں مہاجروں کے کیمپوں کے بارہ میں بتایا. کہ ان میں مہاجرین بالکل غیر انسانی حالات میں زندگی کے دن گزار رہے ہیں — انہوں نے بتایا کہ کراچی میں وزیر اعظم پاکستان کے شاندار بنگلے میں شاندار دعوت کے موقع پر جو شان و شوکت دیکھنے میں آئی. اس میں مہاجروں کی خستہ

اور غلیظ حالت میں تکلیف دہ تضاد پایا جاتا ہے۔

امریکی طلباء کے وفد نے کراچی میں اپنی ایک دعوت کا ذکر بھی کیا جو کہ کراچی میں ایک دولتمند اور خوبصورت خاتون نے ان کے اعزاز میں دی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اس دعوت کی شان اور کراچی کے مہاجروں کے غلیظ جھونپڑوں میں بڑا زبردست فرق ہے۔ (روزنامہ امروز، کراچی)

کراچی کے مہاجروں کی حالت واقعی قابلِ رحم ہے۔

پنڈت نہرو کا دہلی میں بیان۔

پنڈت نہرو نے پریس کانفرنس میں کہا کہ کراچی میں مہاجرین کی حالت قابل رحم ہے۔ کراچی کے آس پاس میں نے چار، پانچ لاکھ بے گھر لوگوں کو دیکھا۔ ان کی حالت ایسی ہی ہے کہ چار پانچ سال پہلے ہندوستان کے شرنارتھیوں کی تھی۔

(نئی دہلی۔ ۳۰ رجولائی ۱۹۵۳ء۔ انجام کراچی یکم اگست ۱۹۵۳ء)

غمخوار ناصح

قائد اعظم نے فرمایا تھا۔

(۱) پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہے۔ ایک سرکاری زبان کے بغیر مملکت نہ زندہ رہ سکتی ہے۔ اور نہ ترقی کر سکتی ہے۔

(۲) اردو میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا بہترین سرمایہ ہندوستان کی دوسری سب زبانوں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔

(۳) بڑی ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ آپ اپنے کو پنجابی، بنگالی، سندھی وغیرہ کہنا چھوڑ دیں

مسٹر محمد علی (بنگالی) وزیر اعظم پاکستان نے جتنی تقریریں کی ہیں۔ ان میں زیادہ تر مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

(۱) میں دستور ساز اسمبلی میں بنگلہ کو بھی ایک سرکاری زبان بنانے کی تجویز کی حمایت کروں گا

(۲) کناڈا میں دو سرکاری زبانیں ہیں۔

(۳) مشرقی پاکستان کی آبادی اکثریت میں ہے۔ اور جمہوری ممالک میں اکثریت کی خواہشات کا احترام کیا جاتا ہے۔

(۴) میں مجلس دستور ساز میں بنگال کا نمائندہ ہوں۔

(۵) یہ میری ذاتی رائے ہے۔

قائد اعظم محمد علی جناح نے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کو ایک مرکز پر لانے کی کوشش کی۔ اور وہ اس میں کامیاب ہوئے۔ اور ایک نئی اسلامی جمہوریہ عالم وجود میں آگئی۔ ؎ آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا۔

لیکن پاکستان کے تیسرے وزیر اعظم مسٹر محمد علی (بنگالی) نے اکثریت و اقلیت کا

سوال پیدا کر کے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کیا۔ ہندوستان کے مخلص رہنماؤں نے ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں مسلم لیگ کا سنگ بنیاد رکھا۔ لیکن ۱۹۵۴ء میں مسٹر محمد علی (بنگالی) صدر مسلم لیگ و وزیر اعظم پاکستان نے اپنی غیر ذمہ دارانہ اور غیر دانشمندانہ تقریروں سے مسلم لیگ کو ڈھاکہ میں نزع کی حالت میں پہونچا دیا۔

مسٹر محمد علی کی ان تقریروں نے تنگ خیالی اور صوبہ پرست لیڈروں کی ہمت افزائی کی ہے۔ زبان، نسل، قوم، مقامی تہذیب و تمدن کی حمایت میں آسمان سر پر اٹھا لیا ہے اور ان بتوں کی پرستش کی دعوت ہر خدا پرست انسان کو دی جا رہی ہے حالانکہ پاکستان عالم گیر اخوتِ اسلامی کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔ اور اسلامی نظام میں رنگ، نسل، قومیت وطنیت۔ خاندانی تفوق اور علاقائی برتری کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

جناب خان عبد الغفار خان — (سرحدی گاندھی) فرماتے ہیں:-

(۱) پاکستان میں پانچ بھائی ہیں — بنگال، پنجاب، سندھ، بلوچستان اور پٹھان — ان میں سے چار صوبوں کا نام لیتے ہوئے وہاں کے باشندے پہچان لئے جاتے ہیں۔ لیکن پٹھانوں کے معاملہ میں ایسا نہیں ہے۔ ان کے صوبہ کا کوئی نام نہیں۔ اور یہ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ کہ ان کا بھی کوئی صوبہ ہے۔ (پاکستان پارلیمنٹ میں تقریر)[1]

(۲) خان عبد الغفار خان نے ایک انٹرویو میں بتلایا — کہ پختونستان کے مطالبہ کا زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد قومیت پر ہے۔

خان عبد الصمد خان اچکزئی — (جنہیں اکثر لوگ "بلوچی گاندھی" کے نام سے پکارتے ہیں۔ ایک تقریر میں فرماتے ہیں — کہ بلوچستان کے پشتونی علاقہ کو صوبۂ سرحد کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے۔ اور پشتونوں کی ثقافت، روایات اور زبان کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس یونٹ کا ایک نام تجویز کر دیا جائے — صوبۂ بلوچستان میں دو مختلف نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ جن کی دو مختلف ثقافتیں، روایات اور زبانیں ہیں

[1] ملتان۔ ۱۵ر اپریل ۱۹۵۴ء۔ انجام کراچی، ۱۱ر اپریل ۱۹۵۴ء۔

یعنی بلوچستان کو لسانی بنیاد پر پشتون اور بلوچ[1] علاقوں میں تقسیم کر دینا چاہیئے۔

مولوی فضل الحق کا بیان:۔

آپ نے اعلان کیا۔ کہ بنگالی کو بلاتاخیر اردو کے برابر درجہ ملنا چاہیئے۔ انہوں نے دعویٰ کیا۔ کہ مشرقی پاکستان ہی پاکستان کا پاکستان کا واحد یونٹ ہے۔ جہاں ایک زبان ہے۔ ایک نسل ہے۔ اور ان کا ایک ہی تمدن ہے۔ مشرقی بنگال جو اجزائے پاکستان میں ایک عدیم المثال حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی زبان۔ ثقافت اور قومیت ایک[2] ہے

مولانا بھاشانی کی تقریر:۔

مہاجرین کو چاہیئے۔ کہ وہ بھول جائیں۔ کہ وہ مہاجر ہیں۔ اور اب وہ جس سرزمین پر رہتے ہیں۔ وہاں کے لوگوں کی امیدوں اور امنگوں کو اپنی امیدیں اور امنگیں سمجھیں۔ مجھے امید ہے۔ کہ مہاجرین اس مطالبہ کی حمایت کریں گے۔ کہ بنگالی کو پاکستان کی ایک سرکاری زبان بنایا جائے۔ جمہوریت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اکثریت کی رائے کو تسلیم کیا جا[3]ئے۔

کراچی اور سندھ کی مجالس کے تیئیس ۲۳ نمائندوں نے اخبارات میں ایک اپیل شائع کرائی ہے۔ اس کا خلاصہ:۔

(۱) مسٹر محمد علی وزیر اعظم پاکستان کو ان کے اس بیان پر مبارکباد دی گئی ہے۔ کہ انہوں نے مشرقی پاکستان میں اردو کے بجائے بنگالی کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کی حمایت کی ہے۔

(۲) وزیر اعظم سے اپیل کی گئی ہے۔ کہ وہ سندھی زبان کو بھی پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کی حمایت کریں۔

اس اپیل پر۔ سیاسی۔ ثقافتی۔ طالب علموں کی انجمن۔ ادبی جماعتوں اور اخبار نویسوں کے نمائندوں کے دستخط ثبت ہیں مسٹر دین محمد ایڈیٹر الوحید کا نام بھی اس میں شامل[4] ہے

---

[1] ڈان کراچی۔ ۲۲ مارچ ۱۹۵۴ء [2] انجام کراچی ۱۶ مارچ ۱۹۵۴ء [3] ڈھاکہ ۲۶ مارچ ۱۹۵۴ء [4] ڈان کراچی ۱۷ فروری ۱۹۵۴ء

سندھ کے وزیر اعلےٰ پیرزادہ عبدالستار کے خیالات :- (سندھ بجٹ سیشن)

(۱) آبادکاری کا مسئلہ بہت حد تک آسان ہو سکتا ہے۔ اگر نئے سندھی اپنے آپ کو پرانے سندھیوں سے الگ تصور نہ کریں۔ اور اپنی جداگانہ ہستی قائم رکھنے کا خیال ترک کر دیں۔

(۲) کھوکھراپار کے راستہ مہاجرین کی مسلسل آمد سے صوبہ میں مہاجرین کی آبادکاری کی راہ میں شدید مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔ مہاجرین کا ایک گروہ آباد ہونے نہیں پاتا کہ دوسرا پہنچ جاتا ہے۔ یہ صورت حال زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کی جا سکتی اور جلد از جلد اس کا کوئی حل نکالنا بہت ضروری ہے۔

(۳) سندھ کے وزیر اعلےٰ نے ایک تقریر میں مہاجروں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں۔

(۴) سندھ کے وزیر اعلےٰ پیرزادہ عبدالستار نے سندھ اسمبلی میں کہا۔ کہ سرکاری ملازموں کو لازمی طور پر سندھی زبان کا امتحان پاس کرنا ہوگا۔ اگر کوئی ابتدائے ملازمت سے ۳ سال کے اندر سندھی زبان کا امتحان پاس نہ کر سکے گا۔ تو وہ ملازمت سے نکال دیا جائے گا۔

سندھ اسمبلی میں بجٹ پر بحث :- مسٹر شاہ نواز - صوبائی حکومت کو اصلی مہاجرین اور نقلی مہاجرین میں فرق کرنا چاہیئے۔ قیام پاکستان کے شروع کے تین چار سال میں اصلی مہاجرین آئے۔ ان کی امداد کرنا اور انہیں آباد کرنا ہمارا فرض ہے لیکن اب عام طور پر نقلی مہاجرین آ رہے ہیں۔ انہیں روکنا ضروری ہے۔

از خود آنے والے مہاجر :-

وزیر مہاجرین مسٹر شعیب قریشی نے ایک سوال کے جواب میں بتایا :-

(۱) مغربی پاکستان میں مہاجر روزانہ آ رہے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے نہ تو کوئی خاص

ع۱ امروز کراچی یکم مارچ ۱۹۵۴ء۔ ع۲ انجام کراچی - ۷ مارچ ۱۹۵۴ء ع۳ امروز کراچی ۱۰ مارچ ۱۹۵۴ء

انتظام کیا جاتا ہے۔ اور نہ کیا جا سکتا ہے[۱]

(۲) تقسیم کے بعد از خود کراچی آنے والے مہاجرین کی تعداد ۴/۱ ۷ لاکھ ہے[۲]۔

مشرقی پاکستان کی انجمن مہاجرین کا مطالبہ:-

پاکستان پر مہاجرین کے وہی حقوق ہیں۔ جو انصار کو حاصل ہیں۔ اس لئے بھارت سے آنے والے مہاجرین پر پاکستان کے دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلے رکھے جائیں[۳]۔

(۱) مہاجر کو صرف اسلامی تصورات کی وجہ سے پاکستان سے محبت ہے۔ جب وہ سرزمین پاکستان میں قدم رکھتا ہے۔ تو صرف ایک مسلمان اور پاکستانی کی حیثیت سے۔ اس کا ذہن، بنگالی سندھی، پنجابی۔ بلوچی اور سرحدی خیالات سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ صوبائی نقطہ نظر سے مہاجر اور انصار کے جذبات میں اتنا ہی بڑا بُعد ہے۔ جتنا کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی میں۔

(۲) نسل۔ تمدن، ثقافت، قومیت اور وطنیت کے تصورات۔ مصنوعی اور غیر اسلامی ہیں۔۔ اگر ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو یہ علم ہوتا کہ پاکستان میں۔ زبان۔ نسل۔ تمدن۔ ثقافت، قومیت اور وطنیت کی بنیاد پر امتیاز کیا جائے گا۔ تو کوئی مسلمان پاکستان کی حمایت میں ووٹ نہ دیتا۔

(۳) ان مسلمان شہدا کی توہین ہے جو کہ پاکستان کی خاطر لڑے اور قربان ہوئے۔

(۴) یہ تصورات پاکستان کی سالمیت کے لئے خطرہ ہیں۔ ان سے ملک میں انتشار پھیلتا ہے۔ اور دشمنان پاکستان کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔

(۵) ان تصورات سے پاکستان کے بنیادی اصولوں کو نقصان پہونچتا ہے۔

۱۹۵۲ء کی مردم شماری کے مطابق مغربی پاکستان میں مہاجروں کی تعداد ۷۰ لاکھ تھی۔ اور اب ۱۹۵۴ء میں مہاجروں کی تعداد ایک کروڑ سے زیادہ ہے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان دونوں کو شامل کر کے مہاجرین کی تعداد ایک کروڑ تیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ اور مہاجرین کی آمد کا سلسلہ برابر جاری ہے

[۱] انجام کراچی۔ ۲۷ مارچ ۱۹۵۴ء [۲] امروز کراچی یکم مارچ ۱۹۵۴ء [۳] انجام کراچی ۱۵ اپریل ۱۹۵۴ء

مشرق وسطےٰ میں جو اسلامی سلطنتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان میں سے اکثر ریاستوں سے بہ لحاظ تعداد پاکستان میں مہاجرین کی تعداد زیادہ ہے۔

مغربی پاکستان کے صوبجات سرحد، بلوچستان۔ اور سندھ میں ہر ایک سے مہاجرین کی تعداد مجموعی طور پر زیادہ ہے۔

اگر صوبہ سرحد۔ بلوچستان اور سندھ کے باشندے صوبائی آبادی، زبان نسل تمدن اور ثقافت کی بناء پر جداگانہ حقوق کے مستحق ہیں۔ تو پھر انصاف کا تقاضا یہ ہے۔ کہ مہاجروں کو بھی پاکستان میں ایک ایسا خطہ ملنا چاہیئے جہاں وہ، زبان۔ تمدن و ثقافت کے نظریہ کے مطابق اطمینان سے زندگی بسر کرسکیں۔

خدا کا شکر ہے۔ کہ مہاجرین کے دل و دماغ ان جداگانہ رجحانات اور غیر اسلامی زہر سے بالکل پاک ہیں۔ کوئی مہاجر انصار بھائی سے علیٰحدہ رہنا نہیں چاہتا ہے۔ ہر مہاجر کی یہ خواہش ہے۔ کہ وہ انصار بھائی کے ساتھ ایک جان اور دو قالب بن کر زندگی گزارے۔

پاکستان کے ارباب اقتدار میں ناصح بننے کی وبا بری طرح پھیل گئی ہے۔

"ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی"

پاکستان میں جس کسی کو ذرا سی بھی طاقت حاصل ہو جاتی ہے بس وہ بیانوں اور تقریروں کا ایک طومار باندھ دیتا ہے۔ اور اس کا اختتام مہاجروں کو نصیحت کرنے پر ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو ارسطو اور سقراط کا جانشین سمجھنے لگے ہیں۔ گویا تمام دنیا کی عقلمندیاں ان پر ختم ہو گئی ہیں۔ اور مہاجرین بیوقوفی میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔

آتے ہیں عیادت کو۔ تو کرتے ہیں نصیحت

احباب سے غمخوار۔ ہوا بھی نہیں جاتا (فانیؔ)

مہاجرین پر سب سے بڑی مصیبت یہ نازل ہوئی ہے کہ قریبی عزیز بھارت اور پاکستان ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہیں۔ لاتعداد شادی شدہ مسلمان عورتیں ہندوستان میں رہ گئیں جن کے شوہر پاکستان میں آ گئے۔ یا شوہر ہندوستان میں رہ گئے اور بیبیاں پاکستان میں آ گئیں۔ اور نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ ماں باپ ہندوستان میں رہ گئے۔ اور بچے پاکستان میں آ گئے یا اس کے برعکس ــ لڑکے، لڑکیاں، بہن بھائی، بھتیجے بھانجے سب ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اور موت کے وقت تک ایک دوسرے کی صورت بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ اس طرح خاندانوں کا شیرازہ بکھر جانا سب سے بڑی روحانی اذیت ہے۔ اور مہاجروں پر یہ سب سے بڑا عذاب ہے۔

پاکستان کو مہاجروں نے اپنے خون سے سینچا ہے

پاکستان میں تمام انصاف پسند اور حق پرست حضرات اس بات کے معترف ہیں کہ پاکستان، ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کی عظیم الشان قربانیوں سے عالم وجود میں آیا ہے۔ لیکن ان بزرگوں نے اس بات کو فراموش کر دیا ہے۔ کہ مہاجرین نے صرف پاکستان کو تعمیر ہی نہیں کیا۔ بلکہ پاکستان کی زندگی مہاجرین کی جدوجہد اور اہلیت سے قائم ہوئی ہے۔ اگر ہر علم و فن کے ماہر اور تجربہ کار مہاجر پاکستان کو زندہ رکھنے کی تمام تر ذمہ داریوں کو اپنے ہاتھ میں نہ لے لیتے تو پاکستان اب تک ایک مفلوج اور لنگڑا لولا ملک ہوتا۔ یہ مہاجرین ہی ہیں جنہوں نے اپنے جسم کا خون پاکستان کی رگوں میں پہنچایا ہے۔ یہ مہاجر ہی ہیں۔ جنہوں نے پاکستان کے نازک پودے کو اپنے خون سے سینچا ہے۔ ایک مرتبہ وزیر اعظم لیاقت علی خان صاحب نے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں مہاجروں کے متعلق فرمایا تھا۔

" یہ ہی وہ باہمت لوگ ہیں جنہوں نے پاکستان بنایا ہے۔

(۱) مغربی پاکستان[1] — تقسیم کے وقت تقریباً تمام تجارت، بنکاری، اور صنعت و حرفت پر غیر مسلموں کا قبضہ تھا۔ اعلےٰ انتظامی عہدوں پر بھی انہی لوگوں کی کثرت تھی اور فنی عہدوں پر تقریباً اسی فیصدی تک انہی کا قبضہ تھا۔ چونکہ یہ سارے کے سارے لوگ ہندوستان روانہ ہو گئے تھے۔ اس لئے اقتصادی اور انتظامی زندگی کا شیرازہ بڑی حد تک منتشر ہو گیا تھا۔ بنک تجارتی مرکز اور فیکٹریاں اچانک بند ہو گئیں۔ عام تجارتی وسیلے مسدود ہو گئے۔ غذائی اجناس کو کھیتوں سے منڈیوں اور فیکٹریوں تک پہنچانے کے لئے مالی ذرائع مفقود ہو گئے۔ کارخانے بند ہو گئے۔ انتظامی سروسوں میں زبردست خلا پیدا ہو گیا۔ ہسپتالوں کے ڈاکٹر اور دیگر کارندے چل دیئے۔

.... تقسیم سے قبل جس قدر ڈاکٹروں اور ہسپتالوں کا دوسرا عملہ خدمت انجام دیتا تھا۔ تقسیم کے بعد اس کا تقریباً ۵۰ فیصدی حصہ ہندوستان چلا گیا۔ اس وجہ سے ڈاکٹروں اور طبی سامان کی شدید قلت محسوس ہوئی"۔

(۲) مشرقی پاکستان[2] — مشرقی پاکستان کے متعلق بہت سوں نے یہ پیشین گوئی کی تھی۔ کہ مشرقی بنگال کے نظم و نسق میں چند ہی مہینوں میں تعطل پیدا ہو جائے گا۔ تجارت اور مالیات کا اجارہ ہندوؤں کو حاصل تھا۔ سرکاری ملازمتوں میں برسرکار ہندو عملہ نے مجموعی طور پر ہندوستان میں ملازمت پسند کی۔ جس سے ان خدمات میں یکایک ایک وسیع اور خطرناک خلیج پیدا ہو گئی۔ صوبائی نقل و حمل اور مواصلات میں شدید بے نظمی پیدا ہو گئی — — ریلوے ڈاک اور تار کا پورا ہندو عملہ یا تو مستقر ترک کر کے ہندوستان منتقل ہو گیا یا اس نے کام کرنا بند کر دیا — ہندو تاجروں اور مالی سہولتیں فراہم کرنے والے مہاجن کاروں کی منتقلی یا ترک کاروبار کے باعث تجارت میں تعطل پیدا ہو گیا"۔

(۳) نائب وزیر مہاجرین ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ۱۴ جون ۱۹۴۹ء کو ایک بیان میں کہا تھا:—

[1] پاکستان کے تین سال ۔ [2] پاکستان آج اور کل ۔ ۱۹۵۱ء

" بہت سے ہندو افسروں کے ہندوستان چلے جانے کے بعد ایکا ایکی سندھ کی حکومت میں تجربہ کار افسروں کی کمی ہوگئی۔ اور یہ مشکل ابھی تک حل نہیں ہو سکی۔ چنانچہ ایسے موقع پر جب کہ زیادہ سے زیادہ ہوشیاری کی ضرورت تھی۔ سندھ کی حکومت کے بندوبست میں تجربہ کار افسر نہ ہونے کی وجہ سے کمزوریاں پیدا ہو گئیں "

(۴) تقسیم ہند کے بعد ایک وقت یہ خطرہ ضرور تھا۔ کہ کہیں پاکستان کی اقتصادی زندگی بالکل شل نہ ہو جائے۔ کیونکہ بنکوں کا کاروبار اور نقل و حرکت کے تمام وسیلوں پر مغربی پاکستان میں غیر مسلموں کا قبضہ تھا۔ اور ان کے چلے جانے کے بعد فوراً ہی ان تمام کاموں کو چلانا آسان کام نہیں تھا۔ مگر پاکستان کی خوش قسمتی تھی۔ کہ ملک کی اقتصادی حالت پر کوئی کاری ضرب لگنے نہیں پائی۔ .... چنانچہ ۴ اپریل ۱۹۴۹ء کو پاکستان سندھ کی مشترکہ مہاجرین کونسل کے جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے قائد ملت لیاقت علی خان صاحب نے فرمایا تھا:-

ہم مغربی پاکستان میں تجارت، صنعت و حرفت اور کاروبار پر مسلمانوں کا قبضہ دیکھ رہے ہیں۔ تو اس کی وجہ صرف ہمارے مہاجر ہیں "

مہاجر پاکستان پر بوجھ بن کر نہیں آئے زبردست جانی و مالی نقصان کے باوجود انہوں نے اپنی قابلیت اور جدوجہد سے پاکستان کی زندگی کو شل ہونے سے بچا لیا۔ ہر دانا و بینا شخص نے مہاجروں کی خدمات کو سراہا ہے لیکن سندھ کے وزیر تعلیم مسٹر غلام حیدر شاہ نے پہلی پریس کانفرنس میں سندھ کی تعلیمی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ غیر ذمہ دارانہ بات کہی ہے۔

" کہ سندھ سے ہندو ٹیچروں کے ترک وطن کی وجہ سے تعلیم کا معیار گر گیا ہے "

اس بیان کے سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے۔ کہ سندھ کی وزارت تعلیم کا سیکریٹری ہندو ہے۔ تمام وسیع الخیال اور صداقت پرست اخباروں نے اس بیان کی شدید

۱؎ مہاجروں کا مسئلہ از آغا محمد اشرف۔

الفاظ میں مذمت کی ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ مہاجر پچھروں کی بیش بہا خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کرتے۔ لیکن انہوں نے ہمت افزائی کے بجائے دلوں کو دکھایا ہے۔ اور توہین کی ہے۔

مہاجر نوجوانوں کا جوش وخروش۔

اگر ۱۹۴۷ء سے اب تک مہاجرین کو ابھارا جاتا۔ ان کی ہمتیں بڑھائی جائیں۔ اور انہیں پولیس اور فوجی ٹریننگ دی جاتی۔ تو پاکستان کی حالت آج کل بالکل مختلف ہوتی کشمیر کا مسئلہ پاکستان کے حسب منشا طے ہو چکا ہوتا۔ بھارت کو تعلیوں اور نخوت وغرور پر اب تک اوس پڑ چکی ہوتی۔ اور تمام دنیا کی نگاہوں میں پاکستان کا وقار بڑھ گیا ہوتا۔ ۱۹۴۸ء میں نوجوانوں کے جوش وخروش کی کیا حالت تھی۔ اس کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے۔

۴ دسمبر ۱۹۴۸ء کو خواجہ شہاب الدین وزیر مہاجرین اور سندھ کے وزیر مہاجرین سید میراں شاہ سندھ کے دورہ پر روانہ ہوئے۔ اس سلسلہ میں رات کے نو بجے حیدر آباد کے انصار و مہاجرین کی طرف سے ایک بہت بڑا جلسہ کیا گیا۔ اس میں تقریباً ۴۰ ۵۰ ہزار کے قریب مجمع تھا۔ جلسہ میں لوگوں نے تقریریں کیں۔ تقریروں میں بار بار اس بات کی طرف اشارہ تھا۔ کہ ہر پاکستانی کو پاکستان کے استحکام اور اس کی حفاظت کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ اس نازک وقت میں ہم اپنی حفاظت کی طرف سے کسی قسم کی لاپروائی اور غفلت نہیں برت سکتے۔ مقرروں نے حکومت پاکستان کے اس اقدام کی بھی تعریف کی۔ کہ تمام ملک میں بہت جلد شہری بچاؤ کا کام شروع ہونے والا ہے۔ اور جگہ جگہ رائفل کلب کھولے جا رہے ہیں۔ اس سے نوجوان بہت زیادہ تھے۔ کیونکہ ہر نوجوان کی یہ خواہش ہے۔ کہ اپنی خدمات پاکستان کی حفاظت کے لئے پیش کر دے۔"

۱؎ مہاجرین کا مسئلہ از آغا محمد اشرف

لسانی وحدت

۱۹۵۴ء کے فیصلے (۱)

پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے دستور کا جو مسودہ تیار کیا تھا۔ اس کی منظوری کی نوبت نہ آسکی۔ اور ۲۴؍ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو یہ دستور ساز اسمبلی توڑ دی گئی تھی۔ مسٹر محمد علی (بوگروی) وزیر اعظم تھے۔ اور مسٹر غلام محمد گورنر جنرل اس دستور ساز اسمبلی نے قومی زبان کے متعلق جو فیصلے کئے تھے۔ ان پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

قائد اعظم کے ارشادات:-

(۱) پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہے ایک سرکاری زبان کے بغیر مملکت نہ زندہ رہ سکتی ہے اور نہ ترقی کر سکتی ہے۔

(۲) اردو میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا بہترین سرمایہ ہے (ہندوستان کی دوسری سب زبانوں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔) اردو ہی دوسرے اسلامی ممالک زبانوں سے قریب تر بھی ہے۔ اس لئے میں آپ کو صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ پاکستان سرکاری زبان اردو اور صرف اردو ہوگی۔ جو شخص اس کے خلاف کوئی غلط فہمی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ پاکستان کا دشمن ہے

قائد اعظم کی مادری زبان گجراتی تھی۔ اور کاروباری زبان انگریزی۔ انہیں انگریزی زبان پر پوری قدرت حاصل تھی۔ جب وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے عہدہ صدارت پر فائز ہوئے اور پاکستان کی تحریک شروع ہوئی۔ تو انہوں نے مسلم عوام سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے اردو سیکھنے کی کوشش کی۔ شروع شروع میں جب انہوں نے عام جلسوں میں تقریریں کیں۔ تو

(۱) قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح نے ۲۴؍ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ جا کر جلسہ عام میں یہ اعلان کیا تھا۔

وہ اول ٹوٹی پھوٹی اردو میں چند جملے بولتے اور پھر انگریزی میں تقریر کرتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد انہیں اردو بولنے کی کافی مشق ہوگئی تھی ۔ قائداعظم پر لسانی عصبیت کا ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے ۔ وہ تو اردو کو کل پاکستان کی سرکاری زبان بنانا چاہتے تھے اور تمام پاکستان میں لسانی اتحاد کے حامی تھے۔

بابائے اردو جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے انکشاف کیا ہے کہ جب کل ہند مسلم لیگ نے پاکستان کی تحریک شروع کی۔ تو پاکستان اور اردو کو لازم و ملزوم سمجھا جاتا تھا ۔ اور کسی نے اس کے خلاف آواز بلند نہیں کی۔ قائداعظم نے علالت کے باوجود اپنی جان کا خطرہ مول لے کر کراچی سے ڈھاکہ تک ہوائی جہاز میں سفر کیا۔ اور یہ بانگ دہل اعلان کیا۔ کہ اردو کے سوا اور کوئی زبان پاکستان کی سرکاری زبان نہیں بن سکتی ہے۔ قائداعظم نے اتحاد کا نظریہ پیش کیا تھا۔ اتحاد۔ یقین محکم اور نظم و ضبط کا تصور۔ بغیر لسانی اتحاد کے ناممکن ہے۔

تقریباً ۳۰ لاکھ سے زیادہ مہاجر۔ جن کی مادری زبان اردو ہے۔ مشرقی بنگال میں آباد ہیں۔ ڈھاکہ اور آسام کے اضلاع میں عام طور پر اردو بولی جاتی ہے۔ مشرقی پاکستان اسمبلی کے انتخابات کے سلسلہ میں پوسٹر زیادہ تر اردو میں چھاپے گئے ہیں۔ پبلک جلسوں میں تقریریں زیادہ تر اردو میں کی گئی ہیں۔ یہ ثبوت ہے۔ اس بات کا کہ مشرقی پاکستان کے عوام اردو کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اردو چونکہ فارسی اور قرآنی حروف سے ملتی جلتی ہے۔ اس لئے مشرقی پاکستان کے مسلمان اردو کو "بنجی کی بھاشا" کہتے ہیں۔ اور انہیں اس زبان سے قلبی لگاؤ ہے۔ مذہبی نقطۂ نگاہ سے مشرقی پاکستان کے مسلمان مغربی پاکستان کے مسلمانوں سے کچھ آگے ہیں۔ اور یہ مشہور بات ہے۔ کہ مشرقی پاکستان کا ایک چور جب تک عشاء کی نماز نہیں پڑھ لیتا چوری کے لئے نہیں جاتا ہے۔

آزاد کشمیر کے لیڈر سردار ابراہیم خان نے جو مشرقی پاکستان کے دورہ سے واپس آئے ہیں۔ بتایا۔ کہ مشرقی پاکستان میں خاص طور پر ڈھاکہ اور سلہٹ کے باشندے اردو زبان

سے بہ خوبی واقف ہیں۔ اور یہاں کے رہنے والے ہماری اردو تقریروں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ مشرقی پاکستان کے دیگر علاقوں کے باشندے بھی اردو سے نابلد نہیں ہیں۔ [1]

مسٹر محمد علی (بنگالی)، وزیر اعظم پاکستان و صدر پاکستان مسلم لیگ نے ۲۴ جنوری ۱۹۵۴ء کو مشرقی پاکستان میں زبان کے مسئلہ پر اپنی ایک تقریر میں فرمایا۔ [2]

میں دستور ساز اسمبلی میں مشرقی پاکستان کے ایک رکن کی حیثیت سے بنگلہ کو بھی ایک سرکاری زبان قرار دینے کی تجویز کی حمایت کروں گا۔ کیونکہ اگر بنگلہ کو اردو کے برابر درجہ نہ دیا گیا۔ تو ہم اقتصادی اور تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ رہیں گے۔ اس صوبہ کی آبادی اکثریت میں ہے۔ اور جمہوری ممالک میں اکثریت کی خواہشات کا احترام کیا جاتا ہے۔

مسٹر محمد علی پاکستان کے وزیر اعظم ہیں۔ کل پاکستان مسلم لیگ کے صدر ہیں۔ اور پاکستان پارلیمنٹ میں بنگال کے ایک حلقہ سے نمائندہ بھی ہیں۔ زبان کے متعلق یہ ان کی ذاتی رائے ہے۔

مسٹر محمد علی نے بنگلہ کی حمایت میں جتنی تقریریں کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) کناڈا میں دو سرکاری زبانیں ہیں۔

(۲) یہ اکثریت کا مطالبہ ہے۔

(۳) اکثریت کے مطالبہ کی حمایت کرنا میرا فرض ہے۔

(۴) میں مجلس دستور ساز میں بنگال کا نمائندہ ہوں۔

(۵) یہ میری ذاتی رائے ہے۔

۱۔ کراچی۔ ۹ مارچ ۱۹۵۴ء۔ ۲۔ مغربی پاکستان کے چند اردو اخبار نویس ادب و احترام اور اظہار محبت کے طور پر مسٹر محمد علی (بنگالی)، کو ہمارے محبوب و کمسن وزیراعظم" کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ بعضوں نے زیبرملت کا خطاب دینے کی کوشش کی۔ محترمہ زیب النساء حمید اللہ مدیرہ ماہنامہ مصور رد ہمانے بدین الفاظ یاد فرمایا ہے۔ خواجہ ناظم الدین کی وزارت کے برطرف کر دینے کے بعد مسٹر محمد علی بوگری منظر عام پر آئے وزارت عظمےٰ کے اعلےٰ عہدہ پر فائز ہونے کے لئے ان میں سب سے بڑی قابلیت یہ تھی۔ کہ وہ بہ خوشی سیاسی آلہ کار بن گئے اور مسٹر غلام محمد کے اشاروں پر ناچتے رہے (فروری ۱۹۵۶ء)

مسٹر محمد علی نے کناڈا ایں دو سرکاری زبانوں کی مثال پیش کی. فرانسیسی اور انگریزی دونوں کا رسم الخط یکساں ہے لیکن پاکستان میں اردو اور بنگلہ کے رسم الخط ایک دوسرے سے مختلف ہیں. اس کے علاوہ پاکستان کے دونوں بازؤں میں ایک ہزار میل کا بعد ہے اس لئے مغربی ومشرقی پاکستان میں وحدت افکار. وحدت خیال وحدت مرکز اور وحدت لسان کی بہت زیادہ ضرورت ہے.

مسٹر محمد علی کا یہ فرمانا کہ اگر بنگالی زبان کو اردو کے برابر درجہ نہ دیا گیا. تو بنگالیوں پر اقتصادی اور تعلیمی ترقی کے دروازے نہیں کھلیں گے. ان کے سامنے مغربی بنگال کی مثال موجود ہے جہاں بنگلہ کو ہندی کے مساوی درجہ نہیں دیا گیا ہے. مغربی بنگال کے کسی مفکر. مدبر. یا سیاست دان نے بنگالی زبان کو ہندی زبان کے مساوی درجہ کا مطالبہ نہیں کیا.

۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق مشرقی پاکستان کی آبادی ... ۴۱۹۳۲ ہے. مسلمان ۳ کروڑ ۲۲ لاکھ ۶ ۳ ہزار اور ہندو تقریباً ایک کروڑ ۔ مغربی پاکستان میں آزاد کشمیر، گلگت ،اور قبائل یاغستان کی آبادی کو چھوڑ کر مسلمان تین کروڑ ستر لاکھ ہیں. مغربی پاکستان میں اس وقت بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے. اور بنگلہ بولنے والے مسلمان اقلیت میں ہیں.

دس کروڑ مسلمانوں کی جدوجہد سے پاکستان بنا ہے اور انہوں نے اردو کی حمایت کی ہے. زبان کے بارہ میں ہندو آبادی کی رائے کوئی معنی نہیں رکھتی. کیونکہ انہوں نے تقسیم ہندوستان کے بارے میں پاکستان اور اردو کے خلاف ووٹ دیئے ہیں.

کراچی میں پاکستان و بھارت کے درمیان ثقافتی دوستی کو ترقی دینے کے لئے ایک انجمن قائم کی ہے. ۱۹۵۳ء میں جبکہ پنڈت جواہر لال نہرو. وزیر اعظم بھارت حکومت پاکستان کی دعوت پر کراچی تشریف لائے تھے. تو اس انجمن کی جانب سے ان کا بڑی دھوم سے خیر مقدم کیا گیا. صدر انجمن غیاث الدین پٹھان نے انگریزی میں ایڈریس پڑھ

کر سنایا۔ اس کا جواب پنڈت جی نے اپنی صاف اور شستہ اردو میں دیا تھا۔ اور کہا تھا کہ اردو میری۔۔ زبان ہے۔ جسے آپ سمجھتے ہیں۔ اس لئے اردو میں تقریر کروں گا۔

مسز وجے لکشمی پنڈت اور مسٹر آر کے۔ سدھوا کو بھی کراچی میں انگریزی زبان میں خیر مقدم کے ایڈریس پیش کئے گئے تھے انہوں نے بھی جواب اردو میں دیا تھا۔

کراچی میں چھٹی عالمی سائنس۔ کانفرنس کے موقع پر روسی سائنس دان مسٹر نزدین ہو (NVZDHI) نے ایک پاکستانی ڈاکٹر سے یہ استفسار کیا۔ کہ آپ کی زبان کونسی ہے۔ ؟ مجھے کراچی میں آئے ہوئے تین دن ہو گئے۔ میں نے جس پاکستانی کو دیکھا۔ اسے انگریزی میں بات چیت کرتے ہوئے دیکھا۔ اور جب کسی پاکستانی نے مجھ سے گفتگو کی۔ تو وہ انگریزی میں انگریز اس ملک سے جا چکے ہیں۔ تو پھر اس ملک میں انگریزی زبان سے کیا غرض ہے ؟ اور یہ انگریزی نہیں ہے۔ تو پھر کونسی زبان ہے۔ ؟ پاکستانی زبان کونسی ہے۔ کیا وہ جسے آپ اپنے گھروں میں بولتے ہیں۔ اس پر پاکستانی ڈاکٹر بہت گھبرایا۔ اور کہا۔ کہ ہماری زبان اردو ہے مگر ہم نے انگریزی کو بین الاقوامی زبان سمجھ کر اپنا لیا ہے۔ ہماری زبان ابھی علمی مباحث کے قابل نہیں ہے۔ اس پر روسی سائنس دان نے کہا۔ کہ روسی زبان کو بھی کسی نے بین الاقوامی زبان تسلیم نہیں کیا ہے۔ لیکن ہم نے قومی تعمیر و تشکیل کے لئے روسی زبان ہی کو ذریعہ تعلیم قرار دیا ہے۔ اور روسی زبان ہی میں سائنس و فلسفہ کا مطالعہ کیا ہے۔ قومی ترقی کے لئے صرف اپنی زبان ہی معاون ہو سکتی ہے۔ اور قوموں کی عظمت کا اندازہ بھی ان کی زبان ہی سے کیا جاتا ہے

ڈاکٹر عندلیب شادانی صدر شعبہ فارسی و اردو ڈھاکہ یونیورسٹی نے اپنے سفر ایران کے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا۔ کہ ایران میں میری ملاقات انڈونیشی سفیر سے ہوئی۔ جنہوں نے بتایا۔ کہ ہمارے یہاں بھی زبان کا مسئلہ آپ کے ملک کی مثل ہے۔ ہمارے یہاں متعدد زبانیں اور بولیاں رائج ہیں۔ اکثریت کی زبان جاوی ہے۔ جس طرح آپ کے

۱؎ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اردو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ وہ غلامانہ ذہنیت۔ جہالت اور تعصب کا شکار ہیں۔ تقریر اردو کالج کے جلسہ تقسیم اسناد پر۔ از ڈاکٹر محمود حسین وزیر تعلیم پاکستان ۱۱ مارچ ۱۹۵۵ء۔ کراچی)

یہاں اکثریت کی زبان بنگلہ کہی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں کی بعض زبانیں کافی ترقی یافتہ اور علوم سے مالا مال ہیں۔ مگر ہم نے جس وقت یہ اعلان کیا۔ کہ ہماری قومی زبان انڈونیشی ہے۔ تو کسی نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اور سب نے یہ فیصلہ تسلیم کر لیا۔ کسی جاوی نے کھڑے ہو کر یہ نہیں کہا۔ کہ جاوی زبان کو بھی قومی زبان کا درجہ دیا جائے۔ کہ یہ اکثریت کی زبان ہے۔ جاوا کے باشندوں نے اپنی قومی زبان انڈونیشی کو عملاً تسلیم کر لیا ہے۔

پاکستان اسلام کی عالمگیر برادری کے اصولوں پر عالم وجود میں آیا تھا۔ ان میں لسانی نسلی اور صوبائی تعصب کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اسلامی بھائی چارا کی کشش نے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کر دیا تھا۔ ہر مسلمان کا یہ ہی خیال تھا — کہ — لیا جائیگا ہم سے کام۔ دنیا کی قیادت کا۔" افسوس ہے۔ کہ بہت ہی مختصر مدت میں وہ اصول — نقش و نگارِ طاقِ نسیان ہو گئے۔"

ہ۱؎ قومی زبان۔ یکم اگست ۱۹۵۵ء

لسانی وحدت

(۲) ۱۹۵۶ء کے فیصلے

۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو ملا کر ایک صوبہ ـ صوبۂ مغربی پاکستان کے نام سے ـ بنایا گیا۔ اب کل پاکستان میں صرف دو صوبے ہیں۔ ـــ

(۱) صوبہ مغربی پاکستان۔ (۲) صوبہ مشرقی پاکستان۔

دوسری دستور ساز اسمبلی نے ۹ر جنوری ۱۹۵۶ء کو دستور کا مسودہ بہ غرض منظوری دستور ساز اسمبلی میں پیش کیا۔ یہ مسودہ بنیادی طور پر پرانے مسودہ سے مختلف ہے۔ آج کل چودھری محمد علی وزیر اعظم ہیں۔ اور مسٹر اسکندر مرزا گورنر جنرل۔

دوسری دستور ساز اسمبلی میں قومی زبان کے متعلق مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی گئی تھیں

(۱) بیس سال تک تمام پاکستان میں انگریزی سرکاری زبان رہے گی۔

(۲) اردو اور بنگالی کو قومی زبان کی حیثیت دی جائے گی۔

(۳) ۲۰ سال تک انگریزی تمام سرکاری معاملات کے لئے استعمال کی جاتی رہے گی۔ یوم دستور سے دس سال گزرنے پر صدر ایک کمیشن مقرر کرے گا۔ جو انگریزی کی تبدیلی کے بارہ میں سفارشات کرے گا۔ صوبائی حکومت کو اختیار ہوگا کہ وہ بیس سال کی مدت ختم ہونے سے پہلے اس صوبہ کے لئے انگریزی کی جگہ کوئی اور سرکاری زبان بنا دے۔

۵ر فروری ۱۹۵۶ء کو دستور ساز اسمبلی نے قومی زبان کے متعلق تجاویز میں ترمیمیں کر دی ہیں اور چودھری محمد علی وزیر اعظم پاکستان نے ان ترمیموں کی منظوری کا اعلان کر دیا ہے۔

(۱) اور اب اردو مغربی پاکستان کی اور بنگلہ مشرقی پاکستان کی قومی زبان ہوگی۔

(۲) مسودہ آئین سے وہ دفعہ حذف کر دی گئی جس میں کہا گیا تھا۔ کہ دس سال کے بعد سارے

ملک کے لئے ایک مشترکہ قومی زبان تشکیل دینے کی کوشش کی جائے۔

(۳) اب پاکستان کی دو قومی زبانیں ہوگئیں اور لسانی وحدت کا خیال ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا قائد اعظم کا یہ ارشاد "کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو، اور صرف اردو ہوگی۔ جو شخص اس کے خلاف کوئی غلط فہمی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ پاکستان کا دشمن ہے"۔ کیا یہ لوگ پاکستان کے دوست ہیں۔ جنہوں نے قائد اعظم کے اس ارشاد کو ٹھکرا دیا ہے؟

اس فیصلہ کو تمام اخباروں، رہنماؤں، جماعتوں اور عام لوگوں میں سے کسی نے بھی پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا۔ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا بیان جو تمام اخباروں میں شائع ہو چکا ہے۔ سب بیانوں سے بہتر جامع اور وزنی ہے۔ قومی زبان۔ اردو۔ کی حمایت میں اس قدر ولولہ انگیز اور صداقت وجرأت سے لبریز بیان اب تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس بیان میں ہماری آہوں اور کراہوں کو پیش کرنے کا فرض پورے طور پر ادا کر دیا گیا ہے۔ اور ملک و ملت کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔ یہ بیان ارباب اقتدار کے لئے۔ ایک للکار۔ ہے۔ میں یہ ہی مناسب سمجھتا ہوں کہ مولوی صاحب کے بیان کا خلاصہ یہاں درج کر دیا جائے۔

انجمن ترقی اردو پاکستان کے صدر بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے بیان کا خلاصہ:۔

"مخلوط اسمبلی پارٹی میں جو سازشیں اور سودے بازیاں ہو رہی ہیں۔ ان سے یہ اندیشہ تھا۔ کہ زبان بھی اس لپیٹ میں آکر رہے گی۔ آخر وہی ہو کر رہا۔ اردو کے ساتھ بنگلہ بھی سرکاری زبان قرار پائی۔ اور بیس برس کے لئے انگریزی کے قدم بھی جما دیئے گئے۔ مصلحت، سودے بازی، سمجھوتے، صوبائی تعصب، ذاتی مفاد کی جیت اور عقل و شعور اور انصاف کی شکست کی یہ حیرت انگیز مثال ہے۔ یہ ایک معمولی سمجھ کی بات ہے۔ کہ کوئی علاقائی زبان خواہ وہ بنگالی ہو یا پنجابی، پشتو ہو یا بلوچی۔ چار کروڑ کی ہو۔ یا چار لاکھ کی۔ پاکستان کی سرکاری یا قومی زبان نہیں ہو سکتی۔ بنگال والوں کو اپنی اکثریت پر گھمنڈ ہے۔ بے شک تعداد افراد کے لحاظ سے ان کو اکثریت حاصل ہے۔ لیکن ان کی زبان کو اکثریت حاصل نہیں۔ یہ کیسی اکثریت ہے۔ جسے اپنے

گھر سے باہر کوئی سمجھتا ہے۔ نہ بولتا ہے۔ زبان کی اکثریت کے معنی یہ ہیں۔ کہ ملک میں زیادہ سے زیادہ سمجھی جاتی ہو۔ بنگال سے باہر بنگالی زبان اپنی ظاہری ساخت وترکیب اور باطنی میلانات اور انوکھے رسم الخط کی وجہ سے نامانوس اور نامعقول ہے۔ اور کبھی قومی زبان کا درجہ حاصل نہیں کرسکتی۔

جو زبان ایک صدی سے قومی زبان تسلیم کی جارہی ہو۔ جس کی تصدیق تمام اکابر قوم کرتے چلے آئے ہوں۔ اور آخر میں جس پر قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مہر توثیق ثبت کی ہو۔ اس سے مخلوط اسمبلی پارٹی کا انحراف کرنا سراسر ناجائز اور احمقانہ فعل ہے۔ وہ ناخلف ہیں جو بابائے قوم کے قطعی اور امٹ فیصلہ سے روگردانی کرتے ہیں۔ یہ قائد اعظم کی۔ اکابر ملت کی اور قوم کی توہین۔ اور تاریخ کو جھٹلانا ہے۔.......... یہ فیصلہ نامقبول۔ ناقابل تسلیم اور ناقابل عمل ہے۔......... ابھی کچھ روز ہوئے محترمہ فاطمہ جناح نے متنبہ کیا تھا۔ کہ اہل ملت حالات کو خاموش تماشائیوں کی طرح نہ دیکھتے رہیں۔ جہاں اصلاح کی ضرورت ہو۔ وہاں اصلاح .... اور جہاں عمل جراحی کی ضرورت ہو۔ وہاں عمل جراحی لازم ہے۔ ہم نے اپنی قومی زبان کو گزشتہ زمانہ میں جہاد کرکے اور جانیں کھپا کر مخالفوں سے بچایا۔ اور محفوظ رکھا۔ ہم اسے کسی حال میں اس مقدس درجہ سے گرنے نہیں دیں گے۔ جو اسے اب تک حاصل رہا ہے۔ پاکستان کی واحد سرکاری اور قومی زبان اردو اور صرف اردو ہوسکتی ہے۔ یہ ہمارے لئے محض زبان نہیں ہے۔ یہ ہماری زندگی کا جزو ہے۔ اس میں معاشرت علم وادب، تہذیب وتمدن، سیاست، مذہب سب کچھ ہے .... انگریزی کو بیس سال کے لئے سرکاری زبان قرار دے کر دھوکہ دیا گیا ہے۔ بیس سال کی مدت میں ہر بار توسیع ہوتی رہے گی اور یہ ہم پر ہمیشہ مسلط رہے گی۔ ورنہ در حقیقت انگریزی کو صرف بیس سال رکھنا مقصود ہوتا تو اس عرصہ مدت میں اردو کو سرکاری زبان بنانے کے لئے ضرور کوئی منصوبہ اسمبلی کے پیش نظر ہونا چاہئے۔ اعلان میں اس کا اشارہ تک نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انگریزی

کاراج اور سہاگ قائم و دائم رہے گا۔ اور اردو کو کبھی قومی زبان کا درجہ نصیب نہ ہوگا بیس سال قرار دینے کا مقصد لوگوں کو پھسلا کر خاموش رکھنا ہے۔ نااہل حکومتیں اکثر اسی قسم کے فریب کرتی ہیں۔ ہم اس کے قائل نہیں۔ کہ حالات نے کچھ ایسی نوعیت پیدا کر دی ہے۔ کہ اب اس فیصلہ میں ترمیم و تفہیم کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ یہ پست ہمتی اور بے غیرتی کی باتیں ہیں۔ جب چند سازشی سودے باز قائد اعظم جیسی عظیم ہستی کا فیصلہ بھول سکتے ہیں تو مخلوط پارٹی کے "پودنوں" کے فیصلہ کی کیا حقیقت ہے۔ ہم اس نامعقول فیصلہ کو بدلوا کر رہیں گے"۔ —— (جنگ کراچی۔ ۴ر جنوری ۱۹۵۶ء)

مہاجر ٹیکس

گزشتہ ڈھائی سال کے عرصہ میں ۴ کروڑ ۵۰ لاکھ کی رقم مہاجر ٹیکس سے وصول ہوئی ہے۔ مہاجر ٹیکس مہاجر اور غیر مہاجر دونوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ مسٹر احمد۔ ای۔ ایچ جعفر نے پاکستان پارلیمنٹ میں کہا تھا۔ کہ مہاجر ٹیکس مہاجرین سے بھی وصول کیا جاتا ہے جو ٹھیک نہیں۔ حکومت کو تحقیقات کرنے کے بعد روکنا چاہیئے"۔

مسٹر محمد علی وزیر مالیات نے پارلیمنٹ میں کہا۔ کہ مہاجر ٹیکس سے مہاجرین کو بری نہیں کہا جا سکتا۔ اس ٹیکس کا مقصد غریب مہاجرین کی امداد ہے۔ جو لوگ ٹیکس ادا کر سکتے ہیں۔ وہ اسے ادا کریں تو کیا ہرج ہے۔

سندھ۔ کراچی مہاجر بورڈ کے صدر مسٹر احمد جعفر نے کہا:۔ مہاجر ٹیکس کا روپیہ بنکوں میں جمع ہے۔ اور مہاجر مصائب کا شکار ہو رہے ہیں۔ ۳ کروڑ روپیہ کی رقم مہاجر ٹیکس میں سے کراچی میں مہاجرین کی آبادکاری کے لئے ۱۹۵۱ء میں الاٹ کی گئی تھی۔ گورنمنٹ نے اب تک ایک کروڑ روپیہ سے کم کا خرچ منظور کیا ہے۔ اصل رقم میں سے اب تک پچاس لاکھ سے کچھ ہی زیادہ خرچ ہوئے ہیں۔ اس پچاس لاکھ میں سے بڑا حصہ ان منصوبوں پر خرچ کر دیا جن کا مہاجرین کے حساب سے کوئی تعلق نہیں۔ مثال کے طور پر ۸۷۷ر۰۵ر۱ روپیہ پانی کی فراہمی پر صرف کئے ہیں۔ ۲۸۵ر۴۷ر۴ روپیہ ایک پل اور ایک سڑک کی تعمیر پر۔ (یہ سڑک مہاجرین کی آبادکاری کے رقبہ سے باہر ہے) ۔ یعنی کل رقم منظور شدہ اس منصوبہ کے لئے ۱٫۸۵۰ر۱ر۵ ہے۔ قائد آباد اور دوسرے مہاجرین کی نو آبادیوں میں صفائی کے انتظام پر صرف کرنے کے لئے گورنمنٹ نے ۲۵۶ر۷۷ر۲ روپے میونسپلٹیوں کو دیئے ہیں۔ ۵۰۰ر۶۲ر۲ روپے محکمہ دفاع کو چھولداریوں کے کرایہ کے دیئے گئے ہیں۔ ایک

ملا ۱۹۵۴ء سے حکومت پاکستان نے مہاجر ٹیکس ختم کر دیا ہے۔

لاکھ روپیہ نگرانی اور شعبہ گری کے اس کام پر خرچ ہوا۔ کہ لالوکھیت میں مہاجر جھونپڑیاں نہ بنا سکیں یہ جواز کہ یہ سڑکیں اور پل مہاجر کے استعمال کے لئے بنائی گئی ہیں صحیح نہیں اس میں مہاجر اور غیر مہاجر کی تخصیص غلط ہے۔ کارپوریشن ان کاموں کے لئے مہاجر اور غیر مہاجر دونوں سے محصول وصول کرتی ہے۔ مہاجر ٹیکس کی غرض و غایت یہ بتائی گئی تھی۔ کہ یہ روپیہ مہاجرین کی آبادکاری یعنی تعمیر مکانات اور حصول روزگار پر صرف کیا جائے گا۔

تعمیر مکانات کے فنڈ میں مقامی تاجروں اور صنعت کاروں نے سرد مہری سے کام لیا ہے۔ اور اب تک ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ کی رقم جمع ہوئی ہے۔ اس میں سے بیشتر عطیات سفارت خانوں اور دوسرے غیر ملکی افراد نے دیئے ہیں۔

مسٹر احمد جعفر نے یہ بھی انکشاف کیا۔ کہ جھونپڑیوں کو بنانے کے لئے گورنمنٹ ہم سے ایک روپیہ آٹھ آنہ فی گز زمین کی قیمت طلب کرتی ہے۔

ایک ایلومینیم کمپنی نے (جو غالباً غیر ملکی ہے)۔ مہاجرین کے بچوں کے لئے۔ ایلومینیم کا اسکول بنانے کے لئے یہ پیش کش کی۔ کہ وہ یہ تمام سامان عمارت بندرگاہ پر مفت دیگی لیکن حکومت کا مطالبہ یہ ہے۔ کہ کسٹم کا محصول ادا کرو۔ ہم نے حکومت کو لکھا مگر جواب یہ ملا۔ کہ عطیہ دینے والوں کو کسٹم کا محصول بھی دینا چاہئے۔ حکومت مہاجر ٹیکس کی رقم میں سے کسٹم کا محصول ادا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

اس پر مدیر ڈان نے مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:۔

ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جو مخیر حضرات پاکستانی مہاجرین کی آبادکاری میں مدد دینا چاہتے ہیں۔ ان کے ساتھ موجودہ پاکستانی حکومت کا رویہ کس قدر غیر ہمدردانہ ہے۔ اور کس قدر مطلق العنانی کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ اگر اور زیادہ کریدنے کی کوشش کی جائے۔ تو ہمیں اور بھی ایسی مثالیں مل جائیں گی۔ جن سے یہ ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ گورنمنٹ نے اس عظیم قومی مسئلہ کے حل کرنے میں کس قدر لاپروائی سے کام لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔

علہ ترجمہ واقتباس از ڈان کراچی ۱۲ ستمبر ۱۹۵۲ء

کہ اس سلسلہ میں حالات نے ایک بڑی بھیانک صورت اختیار کر لی ہے

لیکن اس کی کسے پرواہ ہے۔؟ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو مہاجرین کی آبادکاری کو ایک مقدس ذمہ داری سمجھنے کے بجائے، "ایک کارِ فضول" سمجھتے ہیں۔ لیکن خاص خاص موقعوں پر پروپیگنڈا اور ارزاں شہرت حاصل کرنے کی غرض سے مختلف قسم کے سوانگ بھرے جاتے ہیں، اور یہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ ان کے دل مہاجروں کے درد سے پھٹے پڑتے ہیں۔ حال ہی میں ایک شخص نے جو کہ حکام کے کاسہ لیسوں کے حلقوں میں کافی شہرت کا مالک ہے۔ کیا یہ نہیں کہا، کہ مہاجرین نے تعمیر پاکستان کے سلسلہ میں کوئی رضا کارانہ قربانی نہیں کی ہے۔؟ مہاجرین جو کہ قائداعظم کو اپنی زندگی میں بہت ہی محبوب تھے۔ ان کی اس دردناک حالت سے کیا ان کی روح کو فردوس میں صدمہ نہ ہوتا ہوگا۔؟ لیکن اب پاکستان میں قائداعظم کی پرواہ ہی کون کرتا ہے؟"

اخبار مقاصد کراچی نے کس قدر درد انگیز الفاظ میں مسٹر احمد جعفر کے بیان پر تبصرہ کیا ہے

" دو کروڑ اب تک بنک میں محفوظ کیوں ہیں۔؟ وہ آبادکاری کے کام پر لگائے کیوں نہیں جاتے شاید اس وجہ سے کہ مہاجرین جس حال میں ہیں بڑے آرام سے ہیں۔

شکایت اور نکتہ چینی سے ہز ایکسیلنسی گورنر جنرل کو بڑا صدمہ پہونچتا ہے۔ لہٰذا وزارت مہاجرین کی اس محکمہ کے افسروں کی۔ اور ہر محکمہ کے افسروں کی صرف تعریف ہی کرنی چاہیئے۔ مہاجرین کو کم ازکم اس ملک میں ہوا تو مفت مل رہی ہے۔ وہ اس میں سانس لیتے ہیں اور زندہ ہیں۔

رواداری! رواداری! اتحاد۔ اتحاد۔ ان نعروں سے پاکستان کے لیڈروں کی زبانیں خشک رہتی ہیں۔ ...... اب مہاجر غیر ہیں۔ پاکستان کی زمین پر ان کا حق نہیں پانی پر ان کا حق نہیں۔ حکومت پر ان کا حق نہیں۔ جن کے ہاتھوں میں اختیار آجاتا ہے۔ انہی کا دماغ بدل جاتا ہے۔ وہ مقامی ہوں یا مہاجر۔ امتحان میں کوئی پورا نہیں اترتا، اپنے

کردار اور عمل کے اعتبار سے کوئی مسلمان ثابت نہیں ہوتا۔

یہ زمانہ اچھی طرح یا بری طرح گزر جائے گا۔ جنہیں مسند حکومت پر مرنا ہے۔ وہ مسند حکومت پر مر جائیں گے۔ اور جنہیں راستوں پر اور میدانوں میں۔ یہ حالت کس مپرسی۔ جان دینی ہے وہ اسی طرح مریں گے۔ مگر دنیا کی نظروں میں یہ سب ذلیل ہوں گے۔ جو اسلامی اخوت اسلامی رواداری اور ان محاسن کو بدنام کر رہے ہیں۔ جو کبھی مسلمانوں کی خصوصیات تھیں۔

.... پاکستان کے قیام سے مسلمانوں کو وہ قوت تو حاصل نہ ہوئی جو مقصود تھی۔ لیکن ان کے عیب نمایاں ہو گئے۔

متفقہ اور غیر متفقہ علاقوں کا امتیاز

مہاجر سب صوبوں سے زیادہ مغربی پنجاب میں داخل ہوئے۔ اور سات برس کے بعد اب بھی مہاجرین کی سب سے بڑی تعداد مغربی پنجاب میں موجود ہے۔ یہ مہاجر زیادہ تر مشرقی پنجاب اور ملحقہ ریاستوں کے رہنے والے ہیں۔ یہ علاقہ تسلیم شدہ علاقہ ہے میرے خیال میں ہندوستان کے غیر تسلیم شدہ اقلیتی صوبوں کے مسلمان مہاجرین کی تعداد مغربی پنجاب میں ۲۰ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ چونکہ اقلیتی صوبوں کے مہاجرین غیر تسلیم شدہ علاقوں سے آئے تھے۔ اسلئے مغربی پنجاب کی حکومت نے ان کی آبادکاری پر کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ یو۔ پی کے مسلمان جو مغربی پنجاب سے واپس بھارت گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا۔

"کہ مغربی پنجاب میں ہمیں ناخواندہ مہمان سمجھا جاتا تھا۔ اور دور دراز کیمپوں میں ڈال دیا تھا
راقم الحروف اپریل ۱۹۵۰ء میں بذریعہ پرمٹ ہندوستان سے جالندھر ہوتا ہوا کراچی پہنچا تھا۔ میں نے پاکستان کے جالندھر کیمپ میں دیکھا۔ کہ ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے جو مسلمان مہاجر بغیر پرمٹ کے غلطی سے وہاں آجاتے تھے۔ تو ان کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ بریلی۔ (یو۔ پی) کی ایک بوڑھی خاتون معہ اپنے جوان صاحبزادہ کے پاکستان جانے کے لئے جالندھر کیمپ میں آگئی تھی۔ وہاں چند روز کے بعد وہ سخت بیمار ہوگئی۔ اس کی آخری حسرت یہ تھی۔ کہ میں پاکستان ہی میں جاکر مروں۔ اور پاکستان ہی میں سپرد خاک کی جاؤں۔ کاش مجھے پاکستان جانے کی اجازت دے دی جائے"

— اس سلسلہ میں۔ پاکستان ڈپٹی ہائی کمشنر میجر جنرل عبدالرحمٰن۔ مقیم جالندھر سے میں نے ملاقات کی۔ اور اس بوڑھی مہاجرہ کی آخری تمناؤں کا ذکر کیا۔ موصوف بہت ہی اخلاق سے

ملہ امروز کراچی ۔ ۷ ار مارچ ۱۹۵۴ء۔

پیش آئے۔ اور اپنی مجبوریوں کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ یہ کیمپ مغربی پنجاب کی حکومت نے قائم کیا ہے۔ یہاں سے صرف مشرقی پنجاب کے مہاجروں کو مغربی پنجاب میں بھیجنے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اگر میں اقلیتی صوبوں کے کسی مہاجر کو پرمٹ دے دوں۔ تو مغربی پنجاب کی حکومت مجھ سے باز پرس کرے گی۔ یہ بات سن کر میرے دل پر بہت ہی خراب اثر ہوا۔ اور بے اختیارانہ یہ الفاظ میری زبان پر آ گئے۔ اے خدا۔ مسلمانوں کی اتنی تباہی و بربادی کے باوجود اب بھی مغربی پنجاب کے دروازے صوبائی تعصب نے بند کر دیئے ہیں۔ دو تین روز کے بعد وہ بوڑھی عورت اس دنیا سے سفر کر گئی اور وہیں جالندھر میں سپرد خاک کر دی گئی۔

مشرقی پنجاب کے مسلمان بھی پنجابی زبان بولتے ہیں۔ اور اکثر مغربی پنجاب کے باشندوں کے قریبی رشتہ دار بھی ہیں۔ اس لئے مغربی پنجاب کے لوگوں کو ان سے قلبی انس ہے۔ مغربی پاکستان میں مغربی پنجاب ہی ایک ایسا صوبہ ہے جو کہ تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبوں سے آئے ہوئے مہاجرین کے درمیان امتیاز برقرار رکھنے کا زبردست حامی تھا۔

پاکستان کے دستور حکومت کے مطابق تمام پاکستانیوں کو مساویانہ اور یکساں حقوق حاصل ہیں۔ اس لئے مختلف صوبوں میں تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبوں سے آئے ہوئے مہاجرین میں امتیاز قائم رکھنا نظام جمہوری کے سراسر خلاف ہے۔

معزز مدیر ڈان کراچی نے اپنے ۲۳ر فروری ۱۹۵۴ء کے اخبار میں اس موضوع پر بدیں الفاظ اظہار رائے کیا ہے:-

"پاکستان اور بھارت کے درمیان متروکہ جائدادوں کے متعلق جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس میں تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبہ کے الفاظ کا اضافہ کیا گیا تھا۔ معاہدہ پر دستخط ہونے کے فوراً ہی بعد بھارت نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ اور جائداد متروکہ کا قانون تمام بھارت پر عائد کر دیا تھا۔ بھارت کی اس خلاف ورزی کے باوجود پاکستان

کی حکومت نے اس امتیاز کو قائم رکھا۔ ۱۹۵۲ء میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی وزیر مہاجرین نے کہا تھا۔ کہ یہ امتیاز ختم ہونا چاہیئے۔ یہ پہلا اعلان تھا۔ تب سے اب تک مہاجرین کے مختلف وزرا نے اس امتیاز کے ختم کرنے کے متعلق متعدد اعلان کئے ہیں۔ لیکن یہ امتیاز بدستور باقی ہے"۔ (ترجمہ و اقتباس)

پنجاب مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے ملک فیروز خان نون کی صدارت میں یہ ریزولیوشن پاس کیا تھا۔ "کہ یہ پارٹی پاکستان گورنمنٹ سے درخواست کرتی ہے۔ کہ مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلہ میں تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبہ سے آئے ہوئے مہاجرین کے امتیاز کو نہ ختم کیا جائے"۔[۱]

پنجاب اسمبلی نے مرکزی حکومت سے کہا ہے۔ کہ متفقہ اور غیر متفقہ علاقوں کے مہاجرین میں جو اختلاف ہے۔ اس کو ختم نہ کیا جائے۔ چودھری محمد شفیق (مسلم لیگ) نے اس سلسلہ میں ایوان میں ایک قرارداد پیش کی۔ جس کو متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ قرارداد میں کہا گیا ہے۔ کہ پنجاب میں مہاجرین کی منظم آبادکاری کے لئے متفقہ اور غیر متفقہ علاقوں کے مہاجرین میں امتیاز قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔[۲]

مسٹر مظفر علی قزلباش نے پنجاب اسمبلی میں جواب دیتے ہوئے مہاجرین کی آبادکاری کے لئے متفقہ اور غیر متفقہ علاقوں کی تفریق ختم کرنے کے متعلق مرکزی حکومت کی تجویز کی شدید مخالفت کی۔[۳]

مہاجرین کی کثرت تعداد کے لحاظ سے مغربی پنجاب کے بعد دوسرا نمبر سندھ کا ہے۔ سندھ میں زیادہ تعداد ان مہاجرین کی ہے۔ جو غیر تسلیم شدہ علاقوں سے آئے ہیں۔ یہاں یہ امتیاز برائے نام ہے۔ سندھ کے گورنر مسٹر حبیب ابراہیم رحمت اللہ نے وزیر اعلیٰ سندھ پیرزادہ عبدالستار کی تائید میں فرمایا۔ کہ سندھ میں تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبوں سے آئے ہوئے مہاجرین کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتا گیا ہے۔[۴]

۱۔ ڈان ۲۲ فروری ۱۹۵۴ء۔ لاہور ۱۲ فروری ۱۹۵۴ء ۲۔ لاہور ۲۷ فروری ۱۹۵۴ء۔ امروز کراچی یکم مارچ ۱۹۵۴ء ۳۔ لاہور ۳ مارچ ۱۹۵۴ء۔ ۴۔ ڈان کراچی۔ ۲۳ فروری ۱۹۵۴ء

کل پاکستان مہاجر بورڈ کی مجلس عاملہ نے مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس کیا تھا۔

" بورڈ نے مرکزی محکمہ آباد کاری اور سندھ گورنمنٹ سے یہ درخواست کی ہے۔ کہ سندھ میں مہاجروں پر جو ظلم وستم ڈھائے جا رہے ہیں۔ وہ بند کئے جائیں۔ بورڈ کو سندھ کے بہت سے تعلقوں اور ضلعوں سے اس قسم کی رپورٹیں موصول ہوئی ہیں۔ کہ مہاجروں کو مزروعہ آراضی سے نکالا جا رہا ہے۔ ان کی فصلیں ضبط کی جا رہی ہیں۔ اور تسلیم شدہ رقبوں سے آئے ہوئے لوگوں کو معاوضہ دینے کے لئے آباد شدہ مہاجروں کو اجاڑا جا رہا ہے"۔

۱۲ اپریل ۱۹۵۴ء کو وزیر مہاجرین پاکستان نے تبلایا تھا۔ (۱) کہ تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ رقبہ کی تفریق ختم کر دی گئی ہے۔ (۲) تسلیم شدہ علاقوں کے مہاجرین بے دخل نہیں کئے جائیں گے۔

پنجاب کے وزیر تعلیم چودھری علی اکبر نے جو خود بھی طے شدہ علاقہ کے مہاجر ہیں مسٹر شعیب قریشی وزیر مہاجرین نے اس اعلان کی مذمت کی ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ اس بیان سے بڑی الجھن پیدا ہو گئی ہے۔ کہ ایک طرف تو مسٹر قریشی نے کہا ہے۔ کہ مہاجرین کا علاقائی فرق ختم کر دیا گیا ہے اور دوسری طرف یہ کہا گیا ہے۔ کہ طے شدہ علاقوں کے مہاجرین کو غیر طے شدہ علاقوں کے مہاجرین کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے گی۔ اور انہیں پہلے بسایا جائے گا۔ تعجب ہے کہ جب یہ ترجیحی امتیاز برتا جائے گا۔ تو پھر علاقائی امتیاز کن معنوں میں ختم کیا گیا ہے۔

وزیر تعلیم نے کہا۔ کہ ابھی تک صوبہ پنجاب میں طے شدہ علاقوں کے مہاجرین بھی آباد نہیں ہو سکے ہیں۔ ان مہاجرین کی تعداد ۶۵ لاکھ ۴۳ ہزار ہے۔ حالانکہ اس کے مقابلہ میں ۹ ۳ لاکھ ۹۵ ہزار تارکین وطن پنجاب چھوڑ کر بھارت گئے ہیں۔ مسٹر شعیب قریشی کے اس اعلان پر کہ طے شدہ علاقوں کے مہاجرین کی آبادکاری تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ وزیر تعلیم نے کہا۔ کہ کم از کم پنجاب میں مہاجرین کی مستقل آبادکاری تو ابھی کوسوں دور ہے۔ آبادکاری کا اندازہ تو اس سے بآسانی

لگایا جاسکتا ہے. کہ مہاجرین کے مطالبات کے مطابق ساٹھ لاکھ ایکڑ آراضی تقسیم ہونا چاہیئے. مگر اس میں سے اب تک صرف چودہ لاکھ ایکڑ اراضی مستقل بنیادپر الاٹ کی گئی ہے. غیر طے شدہ علاقوں کے مہاجرین کی اکثریت کراچی اور سندھ میں پڑی ہوئی ہے[۱]

---

[۱] لاہور. ۲۲ر اپریل ۱۹۵۴ء. ڈان اور امروز کراچی ۲۵ر اپریل ۱۹۵۴ء.

اے ارضِ پاک چاہیے دو گز زمیں مجھے

ڈرگ روڈ کالونی کے مہاجرین کی بربادی

پاکستان گورنمنٹ کے ذمہ دار لوگوں کی جانب سے[1] ایک سال کے اندر مہاجرین کراچی کی آبادکاری کے متعلق ہمالہ پہاڑ سے زیادہ بڑے بڑے بیانات و اعلانات شائع ہو چکے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں۔ عوام کے دل میں یہ خیال پیدا ہو چلا تھا۔ کہ اب وقت آگیا ہے کہ ان خانماں برباد مہاجرین کی تباہ کاریاں اور پریشانیاں، آبادکاری اور سکون و راحت میں تبدیل ہو جائیں گی

نگاہیں پڑ رہی تھیں بادلوں کے کھیت پر سب کی … کہ سیلاب گہر اٹھے گا۔ ان سے آج دنیا میں
مگر ان کی حیاتِ مختصر کا دیکھ کر نقشہ … چھلک آئے ہیں اشکِ خون مری چشمِ تمنا میں

کراچی اور اس کے مضافات میں مہاجرین کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پھینکنے کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے ان تباہ حال اور مظلوم مہاجرین پر مصائب کے نئے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں .... اگر مہاجرین کو کراچی پہونچتے ہی کسی منصوبہ بندی کے ماتحت مناسب قطعات زمین الاٹ کر دیئے جاتے۔ تو انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن متعلقہ حکام کی نااہلیت کی وجہ سے ایسا نہیں ہوا

مسٹر احمد جعفر نے پارلیمنٹ میں اس بات کی شکایت کی تھی۔ کہ بڑے بڑے افسروں کے رشتہ داروں کو پلاٹ دینے کے لئے مہاجرین کو بے گھر کیا جا رہا ہے۔

آج صورت حال یہ ہے۔ کہ کہیں مہاجرین کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا جاتا۔ اور کراچی

(۱) انجام کراچی۔ ۲۳ جنوری ۱۹۵۸ء۔ ڈرگ روڈ کے مظلوم مہاجر

سے انہیں ڈرگ روڈ منتقل کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اور وہ بھی اس غلط طریقہ سے کہ ان کے لئے نہ وہاں رہنے کی سہولتیں ہیں۔ نہ ذرائع آمد و رفت آسان اور ارزان ہیں۔ اور نہ روزگار کا معقول انتظام ہے۔ ....ایک اطلاع مظہر ہے۔ کہ بارش سے ڈرگ روڈ کالونی میں .. مہاجرین کو سخت نقصان ہوا ہے۔ سینکڑوں جھونپڑیوں کے علاوہ تقریباً ایک سو مکانات کو بھی جو مہاجرین نے دو تین ماہ کے عرصہ میں تعمیر کئے تھے۔ نقصان پہونچا۔ مظلوم مہاجرین تمام رات بھیگے کپڑوں میں سردی سے ٹھٹرتے رہے۔ اور متعدد افراد کو نمونیہ بھی ہو گیا.... ...... آبادکاری سے متعلقہ حکام نے ڈرگ روڈ کے مہاجرین کی مشکلات کا احساس نہیں کیا۔ بلکہ ان پر پولس کی زیادتیوں کا نیا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ اور وہاں بھی آبادکاری کے بجائے یہ منظر دیکھنے میں آرہا ہے۔ کہ پولس مہاجرین کو پریشان کرنے میں مصروف ہے بارش سے بچنے کے لئے۔ جو مہاجر کہیں پناہ لیتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ نہ ان کے ساتھ انصاف کیا جاتا ہے۔ کوارٹروں کے الاٹمنٹ میں اقربا پروری اور رشوت خوری کا زور ہے۔"

ڈرگ روڈ کالونی کے مہاجرین کے مصائب کا اندازہ نواب سید شمس الحسن صاحب کی اس اپیل سے ہو سکتا ہے۔ جو انہوں نے اخبارات میں شائع کرائی ہے۔

کراچی ۱۷ر جنوری ۱۹۵۴ء ۲۰ر نومبر کی شب کو ڈرگ روڈ کالونی میں بارش کی وجہ سے بلاک نمبر ۳ کی ۲۵۴ جھونپڑیاں پانی سے بھر گئیں اور مکینوں کا کافی نقصان ہوا لیکن عمومیت سے کالونی کے بیس ہزار مہاجرین میں سے ۹۵ فیصدی کا سارا اثاثہ بھیگ گیا۔ اور اس بے روزگاری میں سردی چمک جانے سے حالات بہت خطرناک ہو گئے۔ گو حکومت کی طرف سے لحاف تقسیم کئے جا رہے ہیں۔ پھر بھی وہ اتنے نہیں ہیں جو ۹۵ فیصدی آبادی کو سردی سے بچا سکیں بالعموم فی نادار گھر ایک لحاف دیا گیا ہے۔ لیکن اسی گھر کے باقی چھ افراد سردی کا شکار ہیں ـــ کم از کم اس وقت دس ہزار لحافوں اور گدوں کی ضرورت ہے۔

دواؤں کا انتظام ناکافی ہے":

"سردی آئی۔ اور اس کے ساتھ بارش بھی ہوئی۔ کس طرح جھونپڑیاں ٹپکیں اور بیٹھیں اور کس طرح غریب مہاجر نمونیا میں مبتلا ہوئے۔ اور مرے۔ ڈرگ روڈ میں بیماروں کے معالجے کا بھی انتظام نہ تھا۔ اور جو مرے۔ ان کے پاس کفن کو پیسہ بھی نہ تھا۔ فیاض حکومت نے مفت کفن مہیا فرمایا...... ڈرگ روڈ۔ لالوکھیت، گولی مار۔ مہاجرین کو ادھر ادھر آباد کرنے سے کیا فائدہ؛ مرنا پھر بھی باقی رہ جاتا ہے۔ قبرستان میں آباد کاری دائمی اور مستقل آباد کاری ہے۔............. سب سے زیادہ المناک یہ ہے کہ اس حقیقت کا اعلان اور مظاہرہ ہو گیا۔ کہ مسلمانوں میں باہم وہ جذبۂ اخوت بالکل موجود نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ساری دنیا ان کا احترام کرتی تھی۔ اور جس کی وجہ سے غیر اقوام پر ان کا رعب تھا"۔

اگر محکمہ آباد کاری ان تباہ حال مہاجروں کی آباد کاری اور روزگار مہیا کرنے میں پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکا ہے۔ تو کم از کم ان تڑپ تڑپ کر مرنے والے مہاجروں کے لئے کفن و دفن ہی کا انتظام کر دیا جائے۔

اے ارض پاک چاہیئے دو گز زمین مجھے

---

(۲)

"پھر اجاڑو۔ پھر بساؤ"

۱۵ فروری ۱۹۵۴ء کو ۲۰۰ مصیبت زدہ اور پریشان حال عورتوں نے وزیر مہاجرین کی قیام گاہ کے سامنے اس لئے مظاہرہ کیا۔ کہ نمائش کے میدان سے مہاجرین کو ڈرگ روڈ منتقل نہ کیا جائے۔ کیونکہ از سر نو انہیں ڈرگ روڈ میں جھونپڑیاں بنانی پڑیں

ؔ مقاصد کراچی ۱۳ جنوری ۱۹۵۳ء

گی۔ اور شہر سے دور ہونے کی وجہ سے ڈرگ روڈ میں وہ اپنے معاشی وسائل سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

ڈرگ روڈ کالونی میں اس وقت تیس ہزار مہاجر موجود ہیں۔ یہ مختلف جگہوں میں آباد تھے۔ ان کی جھونپڑیاں توڑ کر پھینک دی گئی ہیں۔ اور زبردستی ڈرگ روڈ کالونی میں لائے گئے ہیں۔ گورنمنٹ کا فرض تو یہ تھا۔ کہ اول ان کے رہنے سہنے۔ روزگار طبی امداد اور تعلیم کا پورا انتظام کرتی۔ پھر انہیں ڈرگ روڈ کالونی میں لاتی۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ موسم سرما کی بارش سے مہاجرین میں نمونیہ اور دوسری بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ طبی امداد برائے نام ہے ڈرگ روڈ کالونی میں ایک بند کے ٹوٹ جانے سے ہزاروں مہاجرین کے اثاثہ معہ جھونپڑیوں کے بہہ گئے ہیں۔ ایسی ہی تباہی موسم سرما کی بارش سے۔ پرانا حاجی کیمپ۔ قائد آباد۔ اسلام آباد مسلم لیگ کی نمائش۔ گاف گراؤنڈ۔ عقب جیکب لائنس۔ لیاقت بستی۔ گولیمار وغیرہ وغیرہ سب مہاجر بستیوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ یخ بستہ ہوائیں چل رہی ہیں۔ سردی کی وجہ سے معصوم بچے ماؤں کے سینوں سے چپٹے ہوئے تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ بوڑھی عورتیں اور بیمار مرد پانی میں شرابور ہیں۔ اور کراہ رہے ہیں۔ فاقہ کش مفلس نان شبینہ کو محتاج ہیں۔ اور آنسو بہا رہے ہیں۔ تین فٹ اونچا پانی ڈرگ روڈ کالونی میں بھر گیا ہے۔ پاکستان کو۔ اسلامی اور اپنا ملک۔ سمجھ کر آئے تھے۔ لیکن بے پناہ مصائب اور فاقہ کشی نے ان غریبوں اور مصیبت زدہ لوگوں کو مرجھا دیا ہے

(۱) وزیر اعظم نے تعمیر مکانات کے لئے ایک فنڈ جاری کیا تھا۔ اس میں کچھ زیادہ روپیہ جمع نہیں ہوا۔ کیونکہ تاجروں اور سرمایہ داروں نے سرد مہری سے کام لیا۔

(۲) گورنمنٹ نے تعمیر مکانات کے واسطے قرض دینے کے لئے مالی کارپوریشن قائم کی تھی۔ قرض دینے کی شرائط بہت سخت تھیں۔ اور شرح سود بھی بہت زیادہ تھی۔ اس لئے یہ اسکیم کچھ مفید ثابت نہ ہو سکی۔

(۳) ہر مہاجر خاندان کو مکان بنانے کے لئے ۵۰۰ روپیہ قرض ملنے کی اسکیم بھی شرمندۂ عمل نہ ہو سکی۔

(۴) مہاجر ٹیکس سے جو روپیہ وصول ہوا ہے۔ وہ سب مکانات کی تعمیر پر خرچ ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اس میں سے کافی رقم مہاجرین کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ پھینکنے پر خرچ کی جا رہی ہے

وزیر مہاجرین مسٹر شعیب قریشی نے یہ سچ کہا ہے۔ کہ یہ مہاجر نہیں ہیں بلکہ مجاہد ہیں اتنے مصائب برداشت کرنے کے بعد بھی "پاکستان کے فدائی" ہیں۔

۱۸ر فروری کی شام ڈرگ روڈ کالونی کے دو سو مہاجروں نے ۔ (سیاہ پرچم ہاتھ میں لئے ہوئے)۔ وزیر اعظم کی کوٹھی کے سامنے مظاہرے کئے اور نعرے لگائے ۔ وزیر اعظم کے سیکریٹری نے انہیں تسلی دے کر واپس کر دیا۔

آٹھواں سال چل رہا ہے۔ تقریریں ہو رہی ہیں۔ بیانات دیئے جا رہے ہیں۔ منصوبے (پلان) بن رہے ہیں ۔ لیکن ابھی تک کوئی اسکیم مکمل نہیں ہوئی ہے۔

بس! اب اس پر عمل ہو رہا ہے ۔ پھر اجاڑو۔ پھر بساؤ

اہل تدبیر کی واماندگیاں

آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

(غالب)

انقلاب زمانہ

انقلاب زمانہ۔ خواہ اجتماعی زندگی ہو یا انفرادی ــ دونوں کو دگرگون اور درہم برہم کر دیتا ہے۔ ادنیٰ طبقہ کے لوگ ترقی کی صف اول میں پہونچ جاتے ہیں۔ اور صف اول کے لوگ نان شبینہ کو محتاج ہو جاتے ہیں۔ انقلاب زمانہ کی صحیح تصویر دیکھنے کی خواہش ہو۔ تو پاکستان کے مہاجرین کو دیکھ لیجیے۔ زیادہ سے زیادہ دس فیصدی مہاجر پاکستان میں آکر گمنامی و نکبت کی زندگی سے مدارج اعلےٰ پہ پہونچ گئے ہیں۔ دولت و ثروت اور شہرت و عظمت کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ ۹۰ فیصدی مہاجر مایوسی و ناکامی اور ذلت و خواری کی زندگی گزارنے پہ مجبور ہیں۔ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو کہ کاسۂ گدائی ہاتھ میں لئے ہوئے در بدر ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔ مہاجرین کی بے بسی و بے کسی کی لاتعداد مثالوں میں سے یہاں چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

پہلا رخ

ہم پاکستان میں ناخواندہ مہمان تھے
واپس جانے والے مہاجرین کا بیان

(۱) ۱۳ مارچ ۱۹۵۴ء .. ۱۱ مہاجر بذریعہ اسپیشل ٹرین لاہور سے ہندوستان بھیجے گئے۔ یہ مہاجرین ۱۹۵۰ء کے لیاقت نہرو معاہدہ کے تحت اپنے گھروں کو واپس گئے ہیں۔ اس معاہدہ کے تحت مہاجرین کا ایک قافلہ مئی ۱۹۵۲ء میں ہندوستان گیا تھا فروری ۱۹۵۰ء سے دسمبر ۱۹۵۰ء تک جو مسلمان مہاجر آئے تھے۔ ان میں سے تقریباً ۱۹ ہزار نے واپسی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اور گزشتہ تین سال میں اب تک ۲۲ ہزار

مہاجرین کو حکومت ہند نے واپس لے لیا ہے۔

یہ واپس جانے والے مہاجر زیادہ تر یو۔پی کے رہنے والے ہیں۔ یہ جب بھارت سے پاکستان آئے تھے۔ تو تباہی و بربادی اور بے سروسامانی و خانہ ویرانی کے باوجود ان کے حوصلے بلند تھے۔ دل جوش اور ولولوں سے لبریز تھے۔ یہ تمام ایشیا کے فتح کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ان کا نعرہ تھا۔

"فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم"

یہ سمجھتے تھے۔ کہ پاکستان ہماری قربانیوں کا سب سے بڑا صلہ ہے اور ہم بہت جلد خلفائے راشدین کے زمانہ کی تمام برکتوں اور سعادتوں سے استفادہ کر سکیں گے ان لوگوں نے واپسی پر جو بیان دیا ہے۔ وہ کس قدر تلخیوں اور مایوسیوں سے بھرا ہوا ہے

ان کے تغیر حال پہ مت جا۔ انقلابات ہیں زمانے کے

کراچی ۱۵ مارچ ۱۹۵۴ء۔ ہندوستانی اخبار ٹائمز آف انڈیا نے یہ خبر شائع کی ہے۔ کہ ہندوستانی مسلمان، جو پاکستان سے ہندوستان واپس گئے ہیں جب امرتسر اسٹیشن پر پہونچے۔ تو انہوں نے وہاں لوگوں کو بتایا۔ کہ پاکستان میں انہیں ناخواندہ مہمان سمجھا جاتا تھا۔ اور دور و دراز کیمپوں میں ڈال دیا تھا۔ ان مہاجرین میں سے اکثر پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھے۔ اور کہہ رہے تھے۔ کہ روانگی سے تھوڑی ہی دیر پہلے مسلم لیگی کارکنوں نے انہیں نئے کپڑے دیئے تھے۔ لیکن انہوں نے چلتے وقت کی اس خیرات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ (روزنامہ امروز کراچی ۱۷ مارچ ۱۹۵۴ء)

ہم مسافر ہیں۔ اتر جائیں گے پار۔ اک دم میں
تجھ کو اے موج مبارک رہے دریا تیرا

---

(۷) ## ایک مہاجر کنبہ کو بے گھر کر دیا

لاہور۔ ۱۷ر دسمبر ۱۹۵۲ء۔ ایک ۵۵ سالہ بے کس و نادار مہاجر اس کی ضعیف و کمزور بی بی۔ بہو اور دو سالہ پوتے کو سردی کی شدت میں محض اس وجہ سے ان کی پناہ گاہ سے مار کر باہر نکال دیا گیا ہے۔ کہ محلہ کے ایک بااثر شخص کو اپنی گھوڑی کے لئے ایک اصطبل کی ضرورت تھی۔ واقعات اس طرح بیان کئے جاتے ہیں۔ کہ انبالہ کا ایک مہاجر مسمی محمد رمضان گزشتہ پانچ سال سے دھوبی منڈی علاقہ پرانی انارکلی میں ایک متروکہ کمرہ میں رہ رہا تھا۔ متعدد درخواستوں اور عرض داشتوں کے بعد ۱۴ر دسمبر کو مذکورہ کمرہ محمد رمضان کے نام الاٹ کر دیا تھا۔ اور الاٹمنٹ کی عارضی چٹ بھی محمد رمضان کے نام جاری کر دی تھی۔ اس اثنا میں محلہ کے ایک بااثر شخص نے اپنی گھوڑی کے لئے یہ کمرہ حاصل کرنا چاہا۔ اور مختلف طریقوں سے محمد رمضان کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ آخر رات کے وقت اس نے چھ، سات اشخاص کی مدد سے اس کنبہ کو زدو کوب کر کے ان کا سامان باہر پھینک دیا۔ اور اس کمرہ میں اپنی گھوڑی باندھ کر اسے تالا لگا دیا۔ یہ کنبہ اس کمرہ کے باہر بڑ کے درخت کے نیچے کس مپرسی کی حالت میں بیشمار آئیں گزار رہا ہے کم سن بچہ کو سردی کی شدت سے بچانے کے لئے دو چار پائیوں کو ملا کر ایک جھونپڑی سی بنائی گئی ہے جس میں بچہ اور اس کی ماں پڑے ہوئے ہیں۔ کنبہ کے باقی افراد آسمان کا سہارا لئے ہوئے گھوڑی کی قسمت پر رشک کر رہے ہیں۔ اور بوڑھا محمد رمضان الاٹمنٹ کی چٹ سینے سے لگائے سامان کی حفاظت کر رہا ہے۔

روزنامہ انجام کراچی۔ ۲۳ر دسمبر ۱۹۵۲ء

چار لاشیں۔ ایک اطلاع مظہر ہے۔ کہ شدید سردی کی وجہ سے ڈرگ روڈ کالونی میں چار افراد ٹھٹھر کر موت سے ہم آغوش ہو گئے جن کے رشتہ داروں نے بتایا ہے

کہ انہیں نہ طبی امداد مل سکی۔ نہ سردی کے اثر سے محفوظ رکھنے والے گرم کپڑے اور لحاف میسر آسکے۔ ان میں سے ایک بچی کے کفن کے لئے پڑوس کے لوگوں نے چندہ جمع کر کے دیا کیونکہ اس کے باپ کے پاس پیسے نہیں تھے۔ (۱۰ جنوری ۱۹۵۳ء روزنامہ انجام کا اداریہ)

روح فرسا حالات

میں نے لائل پور میں بادشاہ خان (خان عبدالغفار خان) کی معیت میں — مائی دی جھگی — کو دیکھا۔ تو روح کانپ گئی — جن مہاجروں کو یہاں رکھا گیا ہے۔ ان کی حالت اتنی خراب ہے۔ کہ آج تک اتنی شکستہ حالت کہیں نہیں دیکھی۔ ان کے بچوں کے بدن واقعی برہنہ ہیں — ان کے چہروں پر ہفتوں کی گرد جمی ہوئی ہے — موٹی موٹی آنکھوں میں تلخی روزگار کی شکایت کے سوا کچھ نہیں۔ یہ لوگ بھوک کے لئے پیدا ہوئے اور بھوک سے مر جاتے ہیں۔ عفونت عام ہے — مائی دی جھگی — ایک دردناک بستی ہے۔ کچھ جھونپڑیاں — جہاں دستی کھڈیاں لگی ہوئی ہیں۔ ایک ہی کمرہ میں سوت کاتنے۔ کھڈی بننے۔ اور رات کو ایک ہی بستر کے اندر باپ بیٹا۔ ماں، بہن، بہو سب سو رہتے ہیں۔ (چٹان۔ لاہور)

دوسرا رخ

مندرجہ ذیل تینوں مثالیں — مہاجرین کا مسئلہ مؤلفہ جناب آغا محمد اشرف — سے بہ صد شکریہ لی گئی ہیں۔

(۱) ایک روز میں کراچی میں جا رہا تھا۔ کہ دفعتاً ایک موٹر سڑک پر رکی۔ اور اس میں سے ایک جنٹلمین۔ سرتاپا انگریزی لباس پہنے ہوئے مجھ سے ملنے کے لئے باہر نکلے۔ مجھے ان کو پہچاننے میں ذرا تامل ہوا۔ لیکن پھر فوراً ہی خیال آگیا۔ کہ یہ تو آگرہ کے وہ درزی ہیں جن

سے میں اکثر کپڑے سلوایا کرتا تھا۔ اب انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا تھا۔ اور اکسپورٹ اور امپورٹ کا لائسنس حاصل کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ اور چاہتے تھے۔ کہ میں ان کے صاحبزادہ کو کسی یوروپین اسکول میں داخل کرانے میں ان کی مدد کروں۔

---

(۲) میں حیدرآباد سندھ گیا۔ تو اسی قسم کا ایک اور واقعہ نظر آیا۔ علی گڑھ اور میرٹھ کی نمائشوں کا مشہور کباب پراٹھے والا۔ اب جنرل مرچنٹ بنا ہوا تھا۔ ایک دوکان اس نے چالیس ہزار روپیہ میں خریدی تھی۔ تجارت کا تجربہ تو تھا نہیں پانچ ہزار روپیہ کا گھاٹا اٹھاکر اس دوکان سے اپنا پیچھا چھڑا لیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ایک کام جاننے والے نے بہت خوشی سے وہ دوکان ساٹھ ہزار میں خرید لی۔

---

(۳) شہید ملت نواب زادہ لیاقت علی خان (وزیر اعظم پاکستان) کے دور حکومت میں یہ انتظام تھا۔ کہ پاکستان کی وزارت مہاجرین کو ہر ہفتہ مہاجرین کے جتنے خطوط وصول ہوتے ان خطوں کو بہت غور سے پڑھا جاتا تھا۔ اور ہر ضروری خط کا جواب بھی دیا جاتا تھا۔ ہر خط کی ضروری باتیں فوراً نوٹ کر لی جاتی تھیں۔ اور محکمہ کی طرف سے اس کے متعلق ضروری احکام جاری ہو جاتے تھے۔

ایک مہاجر بھائی نے خط لکھا۔ کہ ہندوستان کے فلاں شہر میں ایک خانقاہ میرے قبضہ میں تھی۔ میں اس کا مجاور تھا۔ اور ہر جمعرات کو خانقاہ کی آمدنی کافی ہو جاتی تھی۔ اب مجھے ہجرت کرنی پڑی۔ اس لئے درخواست ہے۔ کہ پاکستان میں بھی اسی قسم کی کوئی خانقاہ مجھے الاٹ کرا دی جائے۔ تاکہ اس کی آمدنی سے گزارہ کر سکوں۔

پاکستان کی حکومت کا غیر مسلموں کیساتھ فیاضانہ برتاؤ

لیاقت نہرو معاہدہ کے مطابق بھارت کی حکومت اس بات پر راضی ہوگئی تھی کہ وہ ان تمام پناہ گزینوں کو جو کہ فروری ۱۹۵۰ء سے لے کر مئی ۱۹۵۰ء تک کھوکھرا پار راستہ سے پاکستان میں داخل ہوئے تھے۔ واپس لے لے گی۔ جن کی تعداد تقریباً ۲,۳۰,۸۱۹ ہے۔ لیکن بھارت کی حکومت نے اب تک صرف ۲۲,۵۸۴ پناہ گزینوں کو واپس لیا ہے۔ لیاقت نہرو معاہدہ کے بعد نومبر ۱۹۵۲ء تک بھارت میں ۱۷۴ فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے ہیں۔ جن میں ۵۱ فساد اپریل ۱۹۵۰ء دسمبر ۱۹۵۰ء تک ہوئے۔ ۶۳ فساد ۱۹۵۱ء میں۔ ۶۲ فساد ۱۹۵۲ء میں۔ فسادات کا سلسلہ بھارت میں برابر جاری ہے۔ لیکن اس عرصہ میں پاکستان میں کسی جگہ بھی کوئی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ جمعیتہ العلما بھارت۔ جو کہ بھارت کے کانگریسی مسلمان کی جماعت ہے۔ اور اخبار الجمیعتہ اس جماعت کی سرکاری آواز ہے۔ اس نے اس حقیقت کو بدیں الفاظ تسلیم کیا ہے:۔

یہ اخبار اپنے ایک ایڈیٹوریل مورخہ ۱۹ اکتوبر میں لکھتا ہے وہ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ پاکستان میں لیاقت نہرو معاہدہ کے بعد اب تک کوئی فرقہ وارانہ (ہندو مسلم) فساد نہیں ہوا ہے۔ پاکستان میں مسلمانوں کے تہواروں اور نیز ہندوں کے تہواروں پر مکمل امن رہا ہے[۲]

۱۹۵۳ء میں بھارت میں فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اب بھی

---

[۱] پاکستان کے وزیر خارجہ چودھری ظفراللہ خان صاحب نے بتایا ہے۔ کہ ہندوستان میں ہونے والے ۹۳ فسادات کا حکومت پاکستان کو علم ہے۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۳ء ـ [۲] روزنامہ ڈان کراچی ۳ نومبر ۱۹۵۲ء

وہاں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ ارض پاک میں بالکل امن ہے۔ اور پاکستان کا دامن اس داغ سے بالکل صاف ہے۔ پاکستانی حکومت غیر مسلم مہاجرین پر بھی رقم خطیر صرف کر رہی ہے

ڈھاکہ میں عرصہ سے پاکستان بھگوت گیتا سوسائٹی کام کر رہی ہے اس جماعت کے روح رواں جناب سوامی کلجگا نند ہیں۔ ۲۰ مارچ ۱۹۵۴ء کو جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی وزیر مہاجرین اس سوسائٹی کی عمارت میں تشریف لے گئے تھے۔ اس سوسائٹی نے ان کے خیر مقدم کے سلسلہ میں ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ اس میں یہ بتلایا گیا "کہ اب تک پانچ لاکھ غیر مسلم (۵۰۰۰۰۰) بھارت کے مختلف صوبوں سے آکر پاکستان میں آباد ہو گئے ہیں۔ ان میں بھارت کے عیسائی اینگلو انڈین، بدھ مذہب کے ماننے والے" آدی باسی " (پست اقوام) اور برہمن بھی شامل ہیں۔ یہ بھی بتلایا کہ مدراس سے آئے ہوئے کثیر تعداد غیر مسلموں کو ریلوے اور میونسپلٹیوں میں ملازمتیں بھی مل گئی ہیں"

اس سپاسنامہ کے جواب میں وزیر مہاجرین نے فرمایا۔ کہ پنجاب میں جو غیر مسلم مہاجرین آگئے ہیں۔ ان کی آبادکاری پر گورنمنٹ پاکستان ایک بہت بڑی رقم صرف کر چکی ہے۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کے غیر مسلم مہاجرین کو یقین دلایا کہ گورنمنٹ انہیں ہر قسم کی ضروری امداد مہیا کرے گی۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ مہاجرین میں امدادی رقم کی تقسیم بلا امتیاز مذہب و عقیدہ کی جا رہی ہے۔ آپ نے کہا۔ کہ ہمارا یہ ایمان ہے۔ کہ تمام بنی نوع انسان برابر ہیں۔ اور پیدائش کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیئے۔[1]

مشرقی پاکستان سے ترک وطن[2] کرتے وقت ہندوؤں نے ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار۔ دس مکانات، اور نو ہزار سات سو چھیاسٹھ دکانیں چھوڑی تھیں۔ ان میں

[1] ڈان۔ ۲۲ مارچ ۱۹۵۳ء [2] پاکستان آج اور کل ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۱۰

سے ایک لاکھ چھ سو گیارہ مکانات اور ۲ ہزار ۳۲ دوکانیں واپس آنے والے ہندوؤں کو لوٹائی جا چکی ہیں۔ صوبائی حکومت نے واپس آنے والے تارک وطن ہندوؤں کی آباد کاری کے لئے سات لاکھ روپے منظور کئے تھے۔ لیکن یہ رقم ناکافی ثابت ہوئی اس لئے مرکزی حکومت کو پندرہ لاکھ روپیہ اور قرض دینے پڑے۔

۲۲ مئی ۱۹۵۴ء کو رنگون میں بدھوں کی ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ جس میں بدھوں کے سب سے بڑے مذہبی رہنما نے پاکستان گورنمنٹ کے فیاضانہ برتاؤ کا نہایت ہی اچھے الفاظ میں ذکر کیا تھا۔

چاٹگام میں ایک بدھ مذہب خانقاہ کی تعمیر کے لئے پاکستان گورنمنٹ نے دس ہزار روپیہ کا عطیہ دیا ہے۔ اور یہ بھی وعدہ کیا ہے۔ کہ مقدس تبرکات کے لانے اور مشرقی پاکستان کے بدھوں کو ان کی زیارت اور پوجا کے مواقع فراہم کرنے پر جس قدر روپیہ صرف ہوگا۔ وہ سب پاکستان کی حکومت برداشت کرے گی۔

پاکستان کی حکومت نے ایک لاکھ سے زیادہ روپیہ بدھوں کی تعلیمی ترقی پر صرف کرنے کے لئے منظور کیا ہے

مشرقی پاکستان کے گورنر میجر جنرل اسکندر مرزا نے سرسوتی سماج کے جلسہ تقسیم انعامات میں تقریر فرمائی۔ اور اپنی طرف سے ایک ہزار روپیہ کے عطیہ کا اعلان کیا۔ آپ نے یقین دلایا۔ کہ صوبائی حکومت تمام فرقوں کے تعلیمی اداروں کو حتی الامکان مدد دے گی۔

بدھ کانفرنس

رنگون میں بدھوں کی کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے پاکستانی بدھوں کے نمائندہ نے کہا کہ پاکستان میں بدھوں کو تمام آئینی حقوق حاصل ہیں۔ پاکستان میں بدھوں کی تعداد تقریباً پانچ لاکھ ہے۔ اور وہ مشرقی پاکستان کے ۳۱۲ دیہات میں آباد ہیں۔ پاکستان کی اسمبلی

۱؎ پاکستان آج اور کل ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۰۔ ۲؎ ڈان۔ ۲۶ مئی ۱۹۵۴ء۔ ۳؎ رنگون ۵ دسمبر ۱۹۵۴ء

میں بدھوں کو دو نشستیں دی گئی تھیں۔ اور آئندہ بھی ان کو کافی نمائندگی دی جائے گی
قیام پاکستان سے بودھوں کی خوشحالی کے لئے نئے مواقع پیدا ہو گئے ہیں۔ اور
اب وہ اپنے اندر ایک نئی روح پیدا کر کے ترقی کر سکتے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں
۷۰۰ بودھ خانقاہیں ہیں۔ ۳۰۰ بودھ راہب عبادت کرتے ہیں۔ بودھوں نے
سات ہائی اسکول کھولے ہیں۔ جو حکومت کی امداد سے چلائے جا رہے ہیں۔
حکومت بودھوں کی تعلیمی ترقی کو اہمیت دے رہی ہے۔ حکومت نے ایک بودھ
پروفیسر کو لندن میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے سرکاری وظیفہ بھی دیا ہے۔ اور مستحق
بودھ بچوں کو دوسرے وظیفہ بھی دے رہی ہے۔ مذہبی آزادی کے علاوہ بودھوں
کو سماجی اجتماعات میں بھی شریک کیا جاتا ہے۔ ڈھاکہ میں ایک بودھ مندر کی تعمیر
کے لئے حکومت نے کافی زمین بطور عطیہ دی ہے۔ ۱۹۵۰ء میں حکومت نے پہلی
عالمی بودھ کانفرنس میں پاکستانی نمائندہ بھیجا اور بودھ آثار کو پاکستان لانے کے
لئے تمام تر ذمہ داری قبول کی۔

پاکستان میں بھارت کے ہائی کمشنر کا بیان

ڈاکٹر موہن سنہا مہتا بھارتی ہائی کمشنر برائے پاکستان نے ایک بیان[1] میں کہا
ہے۔ کہ ہندو مسلمان نہایت اطمینان کے ساتھ مشرقی پاکستان میں زندگی گزار رہے
ہیں۔ ڈھاکہ میں اس وقت ہندو وکیلوں کی تعداد بہ نسبت مسلمان وکلا کے زیادہ
ہے۔ اور وہ کسی قسم کی دہشت وغیرہ میں مبتلا نہیں ہیں۔ —— پاکستان کے
باشندوں میں بھارت کے لئے خیر سگالی کا جذبہ موجود ہے۔
اس کے علاوہ ان دلوں مذہب کی بنیاد پر کوئی بد دلی اور بد اعتمادی نہیں

[1] نئی دہلی ۔ ۷ رجنوری ۱۹۵۵ء

پائی جاتی اور صوبہ کے سیاسی حالات بھی پرسکون ہیں۔

کراچی میں مشہور کالی مندر کی فوری از سرِنو تعمیر کا حکم

پاکستان کے اقلیتی امور کے وزیر مسٹر نورالحق چودھری نے حکم دیا ہے۔ کہ کراچی میں مشہور کالی مندر کو از سرِنو تعمیر کیا جائے۔ وزیر موصوف نے کہا۔ کہ ہندوستان کے ہائی کمشنر کا خط ملنے پر میں نے اور ہائی کمشنر نے مندر کا معائنہ کیا۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ مندر خستہ حالت میں ہے۔ وزیر موصوف نے محکمہ امور کو حکم دیا ہے۔ کہ وہ مندر کو فوراً تعمیر کرائے اور اس کو ہندو فرقہ کے نمائندوں کے حوالے کر دے۔

سوامی کلجگانند کبیر پنتھی صدر پاکستان آدی باسی لیگ کا بیان:۔

ہم کانگریس کے ہندو لیڈروں کو یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ اگر پاکستان میں مستقبل اچھا نظر نہ آتا۔ تو پانچ لاکھ غیر مسلم۔ اینگلو انڈین، دیسی عیسائی، بدھسٹ، اچھوت سچھوت، ہندو، بھارت کو چھوڑ کر پاکستان میں کیوں آتے۔ اور اس طرح مستقبل بنانے آئے۔ جیسا کہ بمبئی کے ناگر براہمن خاندان کے لوگ آئے۔ جن میں سے ایک کرنل ڈیسائی (آنجہانی) کی صاحبزادی محترمہ سرلا دیوی صاحبہ ہیں۔ جو پاکستان شریمد بھگوت گیتا سوسائٹی کی جنرل سیکرٹری ہیں۔ تمام پاکستان میں آزادانہ دورہ کر کے گیتا کا پرچار کرتی ہیں۔ اور گیتا سوسائٹی کی شاخیں تمام پاکستان میں قائم رہی ہیں۔

کراچی ۷ر دسمبر ۱۹۵۵ء

حکومت پاکستان نے ۱۹۵۶ء کے بجٹ۔ تعلیم کی مد میں اچھوتوں کے لئے ۱½ لاکھ روپیہ کے وظائف رکھے ہیں۔

متروکہ جائدادوں کے جھگڑے

تقسیم ہند کے فوراً ہی بعد بھارت اور پاکستان میں اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی گئی۔ کہ فسادات کی وجہ سے جو لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک میں ہجرت کر کے جا رہے ہیں۔ ان کی متروکہ املاک کی حفاظت اور خبر گیری کا کوئی انتظام ہونا چاہیئے اس مسئلہ پر دونوں ملکوں کے وزیر اعظموں نے اگست ۱۹۴۷ئہ میں فیصلہ کیا۔ کہ دونوں ملکوں میں ایسے محکمے قائم کئے جائیں۔ جو ان متروکہ جائدادوں کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ دسمبر ۱۹۴۷ئہ میں پاکستان اور بھارت کے نمائندوں کی ایک کانفرنس میں دونوں حکومتوں نے اس اصول کو تسلیم کیا۔ کہ جائداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ اس شخص کی ملکیت ہوگی۔ جو ترک وطن سے قبل اس کا مالک تھا۔

۸ راپریل ۱۹۵۰ئہ کو اقلیتوں کے بارہ میں پاکستان اور ہندوستان کے وزرائے اعظم نے ایک معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہر دو جانب سے مہاجرین کی کثیر تعداد اپنے گھروں میں واپس پہونچ گئی

تسلیم شدہ اور غیر تسلیم شدہ علاقے

متروکہ جائداد کے متعلق مندرجہ بالا معاہدہ صرف تسلیم شدہ علاقوں پر قابل عمل ہوگا زرعی املاک کے متعلق پاکستان میں مندرجہ ذیل علاقے تسلیم شدہ علاقے شمار کئے جائیں گے

مغربی پنجاب، سندھ، دارالسلطنت کراچی، صوبہ سرحد، بلوچستان، ریاست بھاولپور اور خیرپور، بلوچستان اور صوبہ سرحد کی ملحقہ ریاستیں —— صوبہ سرحد کا آزاد علاقہ اس سے مستثنٰی رہے گا۔

زرعی جائدادوں کے متعلق بھارت میں تسلیم شدہ علاقے — مشرقی پنجاب دہلی، ہماچل پردیش کے صوبے، پٹیالہ اور مشرقی پنجاب کی ملحقہ ریاستیں۔ ریاستہائے بھرت پور، الور، بیکانیر۔

شہری غیر منقولہ جائدادوں کے متعلق پاکستان میں وہی علاقے تسلیم شدہ سمجھے جائیں گے۔ جو کہ پاکستان میں زرعی جائدادوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ بھارت کے وہ علاقے جہاں سے فسادات کی وجہ سے بڑے پیمانہ پر تیزی سے مسلمانوں نے ہجرت کی۔ بھارت میں شہری غیر منقولہ جائدادوں کے متعلق مندرجہ ذیل علاقے شامل ہیں۔ اجمیر۔ ماڑوار۔ دھولپور۔ کرالی ریاستیں جو کہ اب مٹسیا یونین (Matsya Union) میں شامل ہیں، راجستھان یونین، سوراشٹرا (Saurashtra) ۲۷ جولائی ۱۹۴۸ء تک یہ دونوں متحدہ ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔ ریاستہائے جودھپور۔ جے پور۔ اضلاع، سہارنپور۔ دہرہ دون، میرٹھ مظفرنگر (یہ سب ضلع صوبہ اترپردیش میں شامل ہیں)۔

بین الملکتی کمیشن

ایک بین الملکتی کمیشن اس غرض سے مقرر کیا گیا تھا۔ کہ وقتاً فوقتاً یہ دیکھا جائے کہ معاہدہ کراچی پر کہاں تک عمل کیا جا رہا ہے۔ اس کمیشن نے تین بار اپنے جلسے منعقد کئے۔ اور دونوں حکومتوں کو مشورہ دیا۔ کہ متروکہ جائداد کی پرائیویٹ طور پر فروخت کے متعلق ایک قانون بنایا جائے۔ بھارت کی گورنمنٹ نے اپنی وزارت قانون کو یہ حکم دیا۔ کہ وہ ایسا مسودہ قانون تیار کرے جو دونوں حکومتوں کے لئے قابل قبول ہو۔ بین الملکتی کمیشن کا دوسرا جلسہ ۱۱ر۱۲ر مارچ ۱۹۴۹ء کو منعقد ہوا تھا بین الملکتی کمیشن کے مشورہ کے مطابق ابتدائی قدم اٹھایا جا رہا تھا۔ کہ ۱ر اپریل ۱۹۴۹ء

کو بھارت نے یہ مطالبہ کیا۔ کہ معاہدہ کراچی پر نظر ثانی کی جائے۔ وہ معاہدہ جس پر دستخط کئے ہوئے صرف تین ماہ ہوئے تھے۔ اور شہری جائدادوں کا مسئلہ اول طے کیا جائے بھارت نے ایک اصطلاح۔ عازمین۔ (INTENDING EVACUEES) (ترک وطن کا ارادہ کرنے والے۔ اختراع کی۔ تاکہ اس کی جائداد کو متروکہ جائداد قرار دے دیا جائے۔ پاکستان نے ۱۸ مہینہ تک اس قسم کا قانون بنانے سے احتراز کیا۔ لیاقت نہرو معاہدہ کے بعد پھر ایک مرتبہ اس مسئلہ کو طے کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور دونوں ملک اس پر راضی ہو گئے تھے۔ کہ متروکہ جائدادوں کے قوانین بدل دیئے جائیں۔ پاکستان کے وزیر مہاجرین و آبادکاری نے کئی مہینہ تک پاکستان میں متروکہ جائدادوں کے قانون کو معرض التوا میں رکھا۔ لیکن بھارت کی طرف سے کوئی امید افزا جواب نہیں ملا۔

مسٹر گوپال سوامی آئنگر نے اس قضیہ کو اس شرط پر طے کرنے کی پیشکش کی۔ کہ پاکستان غیر مسلموں کی متروکہ جائدادوں کا معاوضہ یک مشت ادا کر دے پاکستان نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ کیونکہ بھارت نے متروکہ جائدادوں کا قانون غیر تسلیم شدہ علاقوں پر بھی نافذ کر دیا تھا۔ اس طرح سے بھارت غیر مسلموں کی متروکہ جائدادوں کا معاوضہ بھارت میں مسلمانوں کی چھوڑی ہوئی جائدادوں سے کہیں زیادہ طلب کرتا تھا۔

اکتوبر ۱۹۵۰ء میں بھارت سرکار نے پاکستان گورنمنٹ کو ایک چٹھی بھیجی تھی۔ جس میں یہ بتلایا گیا تھا۔ کہ بھارت کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ مسلمانوں کی متروکہ جائداد کو حکومت اپنے قبضہ میں لے کر مالکانہ حقوق کو ختم کر دے گی۔ اور شرنارتھیوں میں بطور معاوضہ تقسیم کر دے گی۔ بھارت کی حکومت کی یہ تجویز ہے۔ کہ پاکستان بھی غیر مسلموں کی متروکہ جائداد کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے۔ پاکستان نے ۵ مارچ ۱۹۵۱ء کو جو جواب بھیجا ہے۔ اس میں پیش کردہ تجاویز پر عمل کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ کہ

یہ تجویز معاہدہ کی بنیادی شرائط کے خلاف ہے۔

پاکستان گورنمنٹ کے ایک جلسہ میں وزیر مہاجرین و آبادکاری نے یہ پیش کش کی تھی۔ کہ اگر بھارت متروکہ جائدادوں کے قانون کو منسوخ کرنے پر آمادہ ہو۔ تو پاکستان بھی ایسا ہی کرے گا۔ وزیر اعظم بھارت کی توجہ اس پیش کش کی جانب مبذول کرائی گئی تھی۔ تو انہوں نے فرمایا تھا۔ کہ ہم اس پر راضی ہیں۔ بہ شرطیکہ یہ تجویز پاکستان سرکاری طور پر ہمارے پاس بھیجے۔

پاکستان کے وزیر مہاجرین نے ایک نیم سرکاری چٹھی بھارت کے وزیر مہاجرین کو بھیجی تھی۔ جس میں یہ لکھا گیا تھا۔ کہ معاہدہ کراچی میں کسی بڑی ترمیم کو قبول کرنا بہت ہی عجلت کا کام ہے۔ اول اس معاہدہ پر عمل کر کے دیکھنا چاہیئے۔ اور اگر کوئی مشکل سدِ راہ نہ ہو۔ تو کسی بڑی ترمیم کے متعلق بین المملکتی کمیشن کے آئندہ جلسوں میں غور و خوض کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بھارت نے تسلیم شدہ مسلّمہ اصولوں کی خلاف ورزی شروع کر دی۔

بھارت نے کراچی معاہدہ کی دفعہ کو پس پشت ڈال کر متروکہ جائدادوں کے قانون کو غیر تسلیم شدہ علاقوں پر بھی نافذ کر دیا۔ حکومت بمبئی نے پاکستان کو مطلع کئے بغیر ۱۹۴۹ء میں ایک غیر معمولی قانون جاری کر دیا۔ کہ اگر کوئی مسلمان اپنے گھر سے بمبئی کے صوبہ سے باہر بھارت میں کسی جگہ چلا جائے۔ تو وہ تارک وطن قرار دے دیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ بمبئی شہر کا کوئی مسلمان کاروبار کے سلسلہ میں مدراس چلا جائے۔ تو اس کی جائداد متروکہ قرار دے دی جائے گی۔ بمبئی کے اس قانون کو بھارت کی مرکزی حکومت نے ایکٹ ۱۲۔ برائے ۱۹۴۹ء ایک آرڈیننس (ہنگامی قانون) کی شکل دے دی۔ اور متروکہ جائداد کی تعریف کو وسیع معنی دے دیئے گئے۔ یہ آرڈی ننس گزٹ آف انڈیا میں ۱۳؍جون ۱۹۴۹ء کو شائع

کر دیا گیا۔ بمبئی ایکٹ کے نفاذ کے دو ماہ بعد ہی ایسے قوانین وضع کر دیئے گئے۔ جن کا اطلاق مغربی بنگال اور صوبۂ آسام کے علاوہ پورے ہندوستان پر ہوتا تھا۔

جون ۱۹۴۹ء میں جو کانفرنس بلائی گئی تھی۔ اس میں پاکستان کے نمائندہ نے اس بات پر احتجاج کیا۔ کہ بھارت نے چھوڑی ہوئی جائدادوں کے قانون کو تسلیم شدہ رقبوں کے علاوہ غیر تسلیم شدہ رقبوں پر کیوں نافذ کیا؟ اس کے جواب میں بھارت کے نمائندہ نے نہایت آزادی سے یہ کہا۔ کہ بھارت نے متروکہ جائدادوں کے قانون میں غیر تسلیم شدہ علاقوں کو بھی شامل کر لیا ہے۔ ہندو پاکستان میں اپنی جائدادیں زیادہ قیمت کی چھوڑ کر آئے ہیں۔ بہ نسبت مسلمانوں کی جائدادوں کے جو وہ بھارت میں چھوڑ کر گئے ہیں۔ اس سے پاکستان کو ادائیگی قیمت میں آسانی ہوگی۔

ایک کانفرنس میں جو جولائی ۱۹۴۹ء میں طلب کی گئی تھی۔ مسٹر گوپال سوامی آئنگر نے کہا تھا۔ کہ ہمارا مقصد یہ ہے۔ کہ بھارت کے شرنارتھیوں کو پاکستان میں اپنی چھوڑی ہوئی جائدادوں کا زیادہ سے زیادہ معاوضہ مل سکے۔

بھارت کی حکومت نے جون ۱۹۴۹ء میں بذریعہ قانون مسلمانوں کو اپنی غیر منقولہ جائداد کے تبادلہ سے روک دیا تھا۔ اس کے جواب میں پاکستان کو بھی مجبوراً جولائی ۱۹۴۹ء میں اسی قسم کا قانون پاس کرنا پڑا۔

متروکہ جائداد کے متعلق جنوری ۱۹۴۹ء میں دونوں ملکوں میں جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس معاہدہ میں زرعی متروکہ املاک کی فروخت کا قطعی طریق کار نہیں بتایا گیا تھا۔ لیکن شہری غیر منقولہ جائداد کے بارے میں صاف طور پر لکھا ہے۔ کہ تارکان وطن شہری جائداد اپنے طور پر فروخت یا تبدیل کر سکیں گے۔ بعد میں یہ طے ہوا کہ اس معاہدہ کا اطلاق صرف ان علاقوں پر ہو گا۔ جو تسلیم شدہ علاقہ کی تعریف میں آتے ہیں۔

معاہدہ میں ایک شرط بھی ہے۔ کہ تارکان وطن کے تمام ذاتی اور گھریلو سامان کو بھی کسٹوڈین کے پرمٹ کے بغیر دوسرے ملکوں کو لے جانے کی اجازت دی جا

لیکن بھارت نے اس معاہدہ کے عمل درآمد میں رکاوٹیں پیدا کیں۔ اگست ۱۹۵۳ء میں اس معاہدہ کو روبہ عمل لانے کے متعلق ایک کانفرنس ہوئی۔ جس میں چند فیصلے بدلے گئے یا ان پر نظر ثانی کی گئی۔ بھارتی حکومت نے غیر منقولہ متروکہ جائداد پر از سر نو گفت و شنید کا مطالبہ کیا۔ دونوں حکومتوں کے درمیان اس سوال پر مراسلت ہو رہی تھی۔ کہ بھارت نے متروکہ جائداد کے نیم مستقل الاٹمنٹ کی اسکیم کا اعلان کر دیا۔ اور مسلمان مہاجرین کی جائداد بطور معاوضہ ہندو اور سکھ تارکان وطن کو دینی شروع کر دی۔ یہ جنوری ۱۹۴۹ء کے معاہدہ کی براہ راست خلاف ورزی تھی۔ بھارت کے وزیر مہاجرین و آبادکاری مسٹر اجیت پرشاد جین نے ۱۲ر مارچ ۱۹۵۴ء کو بھارت پارلیمنٹ میں ایک بیان دیا ہے اور یہ بیان ٹائمز آف انڈیا مطبوعہ یکم اپریل ۱۹۵۴ء میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ ہندوستان کے وزیر آبادکاری نے اس اسکیم کا اعلان کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا ہے۔ کہ اس پر پچھلی تاریخ یکم نومبر ۱۹۵۳ء سے عمل درآمد شروع کر دیا گیا ہے۔

پاکستان پارلیمنٹ میں مسٹر نور احمد نے مسٹر شعیب قریشی وزیر آبادکاری پاکستان سے مسٹر اجیت پرشاد جین کے بیان کے بارے میں ایک سوال دریافت کیا تھا۔ ۱۲ر اپریل ۱۹۵۴ء کو وزیر مہاجرین نے ایک مفصل جواب دیا تھا۔

ہندوستان پانچ ماہ سے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اور اپنے یہاں کے تارکین وطن کو مسلمانوں کی متروکہ جائدادیں نیم مستقل بنیاد پر الاٹ کر رہا ہے لیکن کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ پاکستان کی وزارت مہاجرین کو پانچ ماہ تک اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ اور پاکستان کا ہائی کمشنر مقیم دہلی ان باتوں سے لاعلم رہا یہ بھی غنیمت ہے کہ ہمارے وزیر مہاجرین نے ۱۲ دن کی مسلسل خاموشی کے بعد پاکستان پارلیمنٹ میں اس سوال کا جواب دینے کی زحمت گوارا کی

"۱۹۴۹ء کے معاہدہ کے بعد ہر صوبے اور ہر علاقے میں ان مسلمانوں کی جائدادوں

پر قبضہ ہونے لگا. جو کہ پاکستان آ گئے تھے. اور ان کی جائدادوں پر بھی. جو ہنگامہ و فساد کی وجہ سے بھارت ہی کے کسی دوسرے علاقہ میں منتقل ہو گئے تھے. اور ان کی جائدادوں پر جو کہ اپنے گھروں میں مقیم تھے. اس بہانے سے کہ تمہارا کبھی نہ کبھی پاکستان جانے کا ارادہ ہے. کلکتہ میں ہزاروں ایسے مسلمان موجود ہیں. جو کلکتہ کے باشندے ہیں. کلکتہ ہی میں مقیم ہیں. اور ان کے گھروں پر غیر مسلموں کا قبضہ ہے وہ غریب مظلوم اپنے اپنے گھروں کے سامنے فٹ پاتھ پر رات بسر کرتے ہیں. دنیا کی تاریخ میں یہ ظلم کسی قوم نے کسی قوم پر نہیں کیا. جو بھارت کے ہندو اور حکومت بھارت مسلمانوں پر کر رہے ہیں.

اب بھارت کی حکومت کی اسکیم یہ ہے. کہ ان جائدادوں کو فروخت کر کے ہندو پناہ گزینوں کو آباد کرے گی. اور یہ جائدادیں کس طرح فروخت کی جا رہی ہیں، اس فروخت میں ایسا ظلم ہو رہا ہے. کہ دنیا کے ظالم بھی اس کو دیکھنے کے لئے اگر موجود ہوتے. تو اس پر عش عش اور افسوس کرتے. پہلے ایک سو روپیہ ماہوار کرایہ کی حیثیت کے مکان کو پانچ روپیہ ماہوار کرایہ پر دیا جاتا ہے. پھر یہ شرائط عائد کی جاتی ہیں. کہ کرایہ میں کبھی اضافہ نہ ہوگا. اور کرایہ دار سے ہرگز مکان خالی نہیں کرایا جائے گا. اس کے بعد وہ مکان فروخت کیا جاتا ہے. اس طرح پچاس ہزار روپیہ کا مکان غیر مسلم پناہ گزینوں کو پانچ سو روپیہ میں مل جاتا ہے. اور مسلمانوں کی متروکہ جائداد کی قیمت کے حساب میں صرف پانچ سو لکھے جاتے ہیں.

اس سلسلہ میں یہ ایک بڑی دلچسپ بات ہے. کہ جس وقت راج سبھا میں مسلمانوں کی شہری جائداد کے حقوق ملکیت کے مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی. تو دیوان چمن لال (کانگریسی) نے کہا. ایک زمانہ میں بھارت میں مسلمانوں کی شہری متروکہ جائداد کی قیمت تین ارب تخمینہ کی جاتی تھی. لیکن اب اس کی قیمت کا تخمینہ صرف ایک ارب کیا جا رہا ہے.

— یہ تین ارب بھی ہندوؤں اور بھارت کی حکومت ہی کے تخمینہ کے مطابق تھی واقعی ان کی کیا قیمت ہے۔ اس کا تخمینہ کرنا پاکستان کی حکومت کا کام تھا۔ جس کی اس کو آج تک توفیق نہیں ہوئی۔

اخبار مقاصد کراچی۔ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۵۴ء

بھارت نے نہ صرف ان مسلمانوں کی جائدادوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ جو کہ پاکستان چلے گئے ہیں۔ بلکہ بہانوں اور حیلوں سے ان مسلمانوں کی جائدادوں پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو کہ اب تک بھارت ہی کے شہری ہیں۔ اور ان کا کبھی بھی ارادہ پاکستان جانے کا نہیں ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے بھارتی پارلیمنٹ میں اپنی تقریر میں کہا "کہ حضرت مولانا احمد سعید صاحب جیسی شخصیت پر بھی جن کی پوری زندگی قومی سرگرمیوں میں گزری ہے۔ نوٹس تعمیل ہوا۔ چونکہ آپ کا ارادہ پاکستان ہجرت کرنے کا ہے۔ اس لئے آپ کے مکان کو تارک وطن قرار دیا جا رہا ہے اور جب اس سلسلہ میں۔ میں نے کسٹوڈین کو متوجہ کیا۔ تو کہا گیا۔ کہ ہم تو ہر مسلمان کو تارکِ وطن سمجھتے ہیں۔ اب یہ اس کا فرض ہے کہ وہ ثبوت دے۔ کہ وہ تارک وطن نہیں ہے یہ ہی نہیں۔ بلکہ مرحوم مسٹر آصف علی کی جائداد بھی جب کہ وہ گورنر تھے۔ متروکہ قرار دی گئی۔ ایک ڈنر میں۔ میں مسٹر آصف علی کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ کہ مسٹر آصف علی مسٹر اچھرو رام (سابق کسٹوڈین جنرل) سے کہہ رہے تھے۔ کہ آپ کے محکمہ کا یہ حال ہے کہ میرا حکومت ہند سے تعلق ہے لیکن اس کے باوجود میری جائداد متروکہ قرار دے دی گئی ہے۔

نئی دہلی ۲۶ر ستمبر ۱۹۵۶ء،

راقم الحروف کی اہلیہ کا ایک دو منزلہ مکان قرول باغ دہلی میں واقع تھا۔ دونوں

حصوں میں دو کرایہ دار . مسٹر چکروتی اور مسٹر تواری رہا کرتے تھے. تقسیم ہند کے بعد ان لوگوں نے کرایہ ادا کرنا بند کر دیا. تحقیقات سے معلوم ہوا. کہ اب یہ مکان متروکہ جائداد قرار دے دیا گیا ہے. ڈپٹی کسٹوڈین دہلی کی عدالت میں ہر مقررہ تاریخ پر ہم لوگ پیلی بھیت (یو.پی) سے دہلی جا کر معہ وکیل کے حاضری دیا کرتے تھے. تقریباً ۲½ سال تک اس تگ و دو کا سلسلہ جاری رہا. روپیہ بھی ضائع ہوا. اور پریشانیاں اس کے علاوہ رہیں. ہر مرتبہ ڈپٹی کسٹوڈین نے یہ ہی کہا. کہ یہ متروکہ جائداد ہے. ہمارے کاغذات میں یہ درج ہے. کہ آپ لوگ پاکستان چلے گئے ہیں. ہم ہر مقررہ تاریخ پر خود بھی عدالت میں حاضر ہوتے تھے. اور قانونی مشیر کے توسط سے ہم اپنے ہندوستان میں رہنے کا ناقابل تردید ثبوت بھی پیش کرتے تھے. لیکن ہر مرتبہ ہم سے یہ ہی کہا جاتا تھا. کہ آپ لوگ پاکستان چلے گئے ہیں.

اپریل ۱۹۵۴ء میں پارلیمنٹ میں وزیر مہاجرین مسٹر شعیب قریشی نے یہ اعلان کیا. کہ متروکہ جائدادوں کے الاٹمنٹ کے بارہ میں ایک خاص تاریخ سے پہلے آنے والے مہاجرین کے درمیان طے شدہ اور غیر طے شدہ علاقوں کا کوئی فرق نہیں کیا جائے گا. — اور یہ بھی اعلان کیا. کہ حکومت نے ایک اسکیم کے تحت شہروں کی غیر منقولہ متروکہ املاک کے نیم مستقل الاٹمنٹ کا فیصلہ کیا ہے.

وزیر مہاجرین نے کہا. کہ مہاجرین کو متروکہ املاک الاٹمنٹ کرنے کے سلسلہ میں خواہ یہ الاٹمنٹ مستقل ہو. یا نیم مستقل — اب کوئی علاقائی امتیاز نہیں برتا جائیگا لیکن مہاجرین کو سلسلہ وار ترجیح دی جائے گی. اور یہ مدت بھی مقرر کر دی جائے گی. کہ کس تاریخ تک آنے والے مہاجرین کو متروکہ املاک الاٹ ہوں گی. اس تاریخ کے بعد جو مہاجرین ہندوستان سے آئیں گے. وہ متروکہ املاک کے مستقل اور نیم

مستقل الاٹمنٹ کے حقدار نہیں سمجھے جائیں گے۔ اس کے ساتھ حکومت نے شہری غیر منقولہ متروکہ املاک کے نیم مستقل الاٹمنٹ کی ایک اسکیم جاری کی ہے

بھارت سرکار نے یکم نومبر ۵۳ء سے ہندوستان میں مسلمانوں کی متروکہ جائدادوں کو برائے نام قیمت پر نیلام کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور وہ اس روپیہ سے شرنارتھیوں کو پاکستان کی متروکہ جائدادوں کا معاوضہ ادا کر رہی ہے۔

پاکستان کی وزارت مہاجرین کے ایک اعلان میں بتایا گیا ہے۔ کہ وہ تمام لوگ جنہوں نے یکم مارچ ۱۹۴۷ء اور ۳۰ / جون ۱۹۵۳ء کے درمیان ہندوستان یا ہندوستانی مقبوضہ علاقہ کو چھوڑ کر پاکستانی شہریت حاصل کی ہے یا پاکستان میں سکونت اختیار کی ہے۔ اپنے مطالبات کا رجسٹریشن کرا سکتے ہیں

کراچی ۱/ مئی ۱۹۵۵ء

پاکستان کی حکومت نے آرڈیننس ۷ مجریہ ۱۹۵۵ء کے تحت متروکہ جائداد[1] کے متعلق مہاجرین سے دعوے طلب کئے ہیں۔ اور خیال ہے کہ مہاجرین کو ۱۹۵۸ء کے آخر تک کچھ نہ کچھ معاوضے ضرور دیئے[2] جائیں گے۔ یا دوسرے مناسب طریقوں سے آنسو پونچھنے کی کوشش کی جائے گی۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے۔ ہم تم کو خبر ہونے تک غالب

۱؎ حکومت پاکستان متروکہ جائدادوں کی مرمت پر ہر سال ۳۵ لاکھ روپیہ خرچ کرتی ہے۔

۲؎ ہندوستان میں بے گھر اشخاص کو معاوضے۔ معلوم ہوا ہے۔ کہ ۱۵ / نومبر ۵۵ء تک ہندوستان کی مرکزی وزارت بحالیات نے ۴۰ ہزار بے گھر لوگوں کے کلیموں دعووں پر ۵ ,۲۱ کروڑ روپیہ معاوضہ ادا کیا ہے وزارت بحالیات نے چودہ کروڑ روپیہ نقد ادا کئے۔ ۴ کروڑ انتقال جائداد کی صورت میں ادا کیا۔ اور تین کروڑ روپیہ عام قرضوں کی معافی کی صورت میں ادا کیا گیا۔
اب تک جن بے گھر لوگوں کے دعووں کی توثیق ہو چکی ہے۔ ان کی تعداد ۳ لاکھ ۹۰ ہزار ہے
نئی دہلی - ۴/ فروری ۵۶ء، مدینہ بجنور۔ ۱۹/ فروری ۱۹۵۶ء

آباد کاری کے وزیر سردار امیر اعظم نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا ہے۔

"حالیہ مردم شماری سے پتہ چلا ہے۔ کہ کراچی میں پانچ لاکھ مہاجر غیر آباد ہیں مگر حکومت کو ان کی آباد کاری کے لئے ایک لاکھ مکان بنانا ناممکن ہے اس لئے فیصلہ کیا گیا ہے۔ کہ ہر قسم کے مہاجرین کو ان کے سماجی درجہ کے امتیاز کے بغیر پلاٹ دیئے جائیں گے۔ تاکہ دارالحکومت میں بے گھر لوگ آباد ہو سکیں"

اس بیان پر پاکستان کے مشہور مزاحیہ نگار محترمی مجید لاہوری ایڈیٹر نمک دان نے اپنے مخصوص انداز تحریر میں بدیں الفاظ تبصرہ کیا ہے۔

اس سے پہلے بھی مہاجرین کو ایسے ہی خواب دکھائے گئے ہیں خدا کرے یہ خواب حقیقت میں بدل جائیں۔ ــــ ورنہ مہاجرین تو اب تک ــــ "بے ٹکٹ جنت" ــــ کی تصویریں دیکھ ہی رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں۔

"خوب تصویر بنائی۔ مرے بہلانے کو"

تمام شد

عہ مجید لاہوری ۔ جنگ ۱۷؍ اپریل ۱۹۵۶ء

پڙهندڙ نَسُل . پَ نَ

The Reading Generation

1960 جي ڏهاڪي ۾عبدالله حسين " اُداس نسلين" نالي ڪتاب لکيو.
70 واري ڏهاڪي ۾ وري ماڻڪ "لُڙهندڙ نَسُل" نالي ڪتاب لکي پنهنجي
دورَ جي عڪاسي ڪرڻ جي ڪوشش ڪئي. امداد حُسينيءَ وري 70 واري
ڏهاڪي ۾ئي لکيو:

انڌي ماءُ ڄڻيندي آهي اونڌا سونڌا ٻارَ
ايندڙ نسل سَمورو هوندو گونگا ٻوڙا ٻارَ

هر دور جي نوجوانن کي اُداس، لُڙهندڙ، ڪَڙهندڙ، ڪُڙهندڙ، ٻَرندڙ،
ڄُرندڙ، ڪِرَندڙ، اوسيئڙو ڪندڙ، ياڙي، ڪاٺُو، ياڄوڪَڙُ، ڪاوڙيل ۽
وِڙهندڙ نسلن سان منسوب ڪري سگهجي ٿو، پَر اسان اِنهن سڀني ۾ چاں
"پڙهندڙ" نسل جا ڳولائو آهيون. ڪتابن کي ڪاڳر تان ڪٽي ڪمپيوٽر جي
دنيا ۾ آڻڻ، بين لفظن ۾ برقي ڪتاب يعني e-books ناهي ورهائڻ جي
وسيلي پڙهندڙ نسل کي وَڌڻ، ويجهَڻ ۽ هِڪَ ٻِئي کي ڳولي سَهڪاري
تحريڪ جي رستي تي آڻڻ جي آسَ رکون ٿا.

پڙهندڙ نَسل (پَڻَ) ڪا بہ تنظيمَ ناهي. اُنَ جو ڪو بہ صدر، عُهديدار يا
پايو وِجهندڙ نہ آهي. جيڪڏهن ڪو بہ شخص اهڙي دعوىٰ ڪري ٿو تہ پَڪَ
ڄاڻو تہ اُهو ڪُوڙو آهي. نہ ئي وري پَڻَ جي نالي کي پئسا گڏ ڪيا ويندا.
جيڪڏهن ڪو اهڙي ڪوشش ڪري ٿو تہ پَڪَ ڄاڻو تہ اُهو بِہ ڪُوڙو آهي.

جَهڙيءَ طَرَح وٽن جا پَنَ ساوا، ڳاڙها، نيرا، پيلا يا ناسي هوندا آهن اَهڙيءَ طرح پڙهندڙ نَسُل وارا پَنَ بہ مختَلِف آهن ۽ هوندا. اُهي ساڳئي ئي وقت اُداس ۽ پڙهندڙ، بَرندڙ ۽ پڙهندڙ، سُست ۽ پڙهندڙ يا وِڙهندڙ ۽ پڙهندڙ بہ ٿي سگهن ٿا. بين لفظن ۾ پَنَ ڪا خُصوصيِ ۽ تالي لڳل ڪِلَب Exclusive Club نہ آهي.

ڪوشش اها هوندي تہ پَنَ جا سڀ ڪَم ڪار سَهڪاري ۽ رَضاڪار بنيادن تي ٿين، پر ممڪن آهي تہ ڪي ڪم اُجرتي بنيادن تي بہ ٿِين. اهڙي حالت ۾ پَنَ پاڻ هِڪَبِئي جي مدد ڪَرڻ جي اُصولَ هيٺ ڏي وَٺُ ڪندا ۽ غيرتجارتي non-commercial رهندا. پَنَن پاران ڪتابن کي ڊِجيٽائِيز digitize ڪرڻ جي عَملَ مان ڪو بہ مالي فائدو يا نفعو حاصل ڪرڻ جي ڪوشش نہ ڪئي ويندي.

ڪتابن کي ڊِجيٽائِيز ڪرڻ ڪان پو ٻيو اهم مرحلو وِرهائڻ distribution جو ٿيندو. اِهو ڪم ڪرڻ وارن مان جيڪڏهن ڪو پيسا ڪمائي سگهي ٿو تہ ڀلي ڪمائي، رُڳو پَنَن سان اُن جو ڪو بہ لاڳاپو نہ هوندو.

پَنَن کي ڪُليل اڪرن ۾ صلاح ڏجي ٿي تہ هو وَسَ پٽاندڙ وڌِ ڪان وَڌِ ڪتاب خريد ڪَري ڪتابن جي ليکَڪَن، ڇپائيندڙن ۽ ڇاپيندڙن کي هِمٿائِن. پر ساڳئي وقت عِلم حاصل ڪرڻ ۽ ڄاڻ کي ڦهلائڻ جي ڪوشش دوران ڪَنهن بہ رُڪاوٽَ کي نہ مڃن.

شيخ اَياز علمَ، جاڻ، سمجھہَ ۽ ڏاھپَ کي گيتَ، بيتَ، سِٽَ، پُڪارَ سان تَشبيھہ ڏيندي انھن سيني کي بَمن، گولين ۽ بارودَ جي مدِ مقابل بيھاريو آهي. اياز چوي ٿو تہ:

گيتَ بہِ جڻ گوريلا آهن، جي ويريءَ تي وار ڪَرن ٿا.

... ...

جئن جئن جاڙ وڌي ٿي جَڳَ ۾، هو ٻوليءَ جي آڙ ڇُپن ٿا؛

ريتيءَ تي راتاها ڪن ٿا، موتي مَنجھہِ پھاڙ ڇُپن ٿا؛

... ...

ڪالھہَ هُيا جي سُرخ گُلن جيئن، اڄڪلھہ نيلا پيلا آهن؛

گيتَ بہِ جڻ گوريلا آهن........

... ...

هي بيتُ اَٿي، هي بَم- گولو،

جيڪي بہ ڪٽين، جيڪي بہ ڪٽين!

مون لاءِ ٻنھي ۾ فَرَقُ نہ آ، هي بيتُ بہ بَمَ جو ساٿي آ،

جنھن رِڻَ ۾ رات ڪَيا راڙا، تنھن هَڏَ ۽ چَمَ جو ساٿي آ ـ

اِن حسابَ سان اٽڃاٽائي کي ڀاڻ تي اِهو سوچي مَڙهڻ تہ ”هاٽي ويڙھہ ۽ عمل جو دور آهي، اُن ڪري پڙهڻ تي وقت نہ وڃايو“ ناداني‌ءَ جي نشاني آهي.

پَنَن جو پڙهڻ عام ڪِتابي ڪيڙن وانگر رُڳو نِصابي ڪتابن تائين محدود نہ هوندو. رڳو نصابي ڪتابن ۾ پاڻ کي قيد ڪري ڇڏڻ سان سماج ۽ سماجي حالتن تان نظر ڪڇي ويندي ۽ نتيجي طور سماجي ۽ حڪومتي پاليسيون policies اٽڃاٽن ۽ نادانن جي هٿن ۾ رهنديون. پَنَ نِصابي ڪتابن سان گڏوگڏ ادبي، تاريخي، سياسي، سماجي، اقتصادي، سائنسي ۽ ٻين

ڪتابن کي پڙهي سماجي حالتن کي بهتر بنائڻ جي ڪوشش ڪندا.

پڙهندڙ نَسُل جا پَنَ سيني کي **چو، چالاءِ ۽ ڪينئن** جهڙن سوالن کي هر بَيانَ تي لاڳو ڪرڻ جي ڪوٺَ ڏين ٿا ۽ انهن تي ويچار ڪرڻ سان گڏ جوابَ ڳولڻ کي نہ رڳو پنهنجو حق، پر فرض ۽ اٽٽر گهرج unavoidable necessity سمجهندي ڪتابن کي پاڻ پڙهڻ ۽ وڌ کان وڌ ماڻهن تائين پهچائڻ جي ڪوشش جديد ترين طريقن وسيلي ڪرڻ جو ويچار رکن ٿا.

توهان بہ پڙهڻَ، پڙهائڻ ۽ ڦهلائڻ جي اِن سهڪاري تحريڪ ۾ شامل ٿي سگهو ٿا، بَس پنهنجي اوسي پاسي ۾ ڏِسو، هر قسم جا ڳاڙها توڙي نيرا، ساوا توڙي پيلا پن ضرور نظر اچي ويندا.

وڻ وڻ کي مون ياڪِي پائي چيو تہ ”منهنجا ياءُ
پهتو منهنجي من ۾ تنهنجي پَنَ پَنَ جو پڙلاءُ“.
- اياز (ڪلهي پاتم ڪينرو)